نگار

ایڈیٹر:- نیاز فتحپوری

مجلد ۳
شمارہ ۵

جون سنہ ۱۹۲۳ع

قیمت سالانہ پانچ روپیہ
قیمت فی پرچہ آٹھ آنہ

فہرست

ملاحظات — ایڈیٹر — ۴۰۲
نہضت قومی کے حیرتناک مناظر (ایڈیٹر) — ۴۰۳
ناطان - محمد نعیم الرحمن ایم اے — ۴۱۴
غزل - کوثر چاندپوری — ۴۲۰
سقراط - سید سرفراز حسین بی اے — ۴۲۱
اقوال سقراط - ایڈیٹر — ۴۲۵
نکوہش - لطیف الدین احمد اکبرآبادی — ۴۲۶
مصطفےٰ کمال سیاسی مجدد کی حیثیت سے — ابوالقدس توحیدی — ۴۳۳
جلوہ گاہ — امین حزین — ۴۴۸
کلام آزاد - محمد اکبر خان حیدری — ۴۴۹
نوائے سرفروش - ساغر نظامی — ۴۵۵
اُردو زبان - محمد یونس سعد — ۴۵۶
افادات شاد - یمین السلطنت ہز اکسیلینسی مہاراجہ کشن پرشاد بہادر بالقابہ — ٦٢
پیرس وانونی — محمد امیر خان غربت
غزل — سعید رزمی
ٹوٹے ہوئے دل - امیر حسن ناز
معلومات — ایڈیٹر
استفسار و جواب — ایڈیٹر
کتب موصولہ

ملاحظات

(۱) اس مہینے ملاحظات کے سلسلہ میں مجھے سب سے پہلے یہ عرض کرنا ہے کہ جن حضرات کا چندہ اس ماہ میں ختم ہو جاتا ہے، وہ براہ کرم ایک کارڈ بھیجنے کی زحمت گوارا فرمائیں اور آئندہ خریداری یا عدم خریداری کے متعلق منیجر کو آگاہ فرما دیں۔ بصورت خریداری بہتر صورت یہی ہو سکتی ہے کہ منی آرڈر کے ذریعہ سے چندہ بھیج دیں اور اگر یہ وضع کے خلاف ہو تو وی۔پی بھیجنے کی اجازت دیں۔

(۲) ہمارے محترم دوست سیٹھ محمد دین صاحب (بمبئی) نے جو نوجوان طبقۂ اغنیاء میں غیر معمولی صبر و استقلال کے انسان ہیں، ہمارے پاس سو روپیہ اس غرض سے روانہ کئے ہیں کہ ان کی طرف سے بیس نادار طلبہ کے نام (جس میں دس لڑکے اور دس لڑکیاں ہوں گی) نگار جاری کر دیا جائے۔ اس لئے ہم اعلان کرتے ہیں کہ بعد تعداد بھی بیس نادار طلبہ کے نام اب نگار جاری ہو سکتا ہے۔ درخواستیں جلد موصول ہونی چاہئیں

(۳) بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ لفظ "رئیس التحریر" کوئی خطاب یا مفاخرانہ انداز بیان ہے، حالانکہ یہ لفظ محض اڈیٹر کا مترادف ہے اور مصر میں عام طور پر ایک چیف اڈیٹر اسی لفظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ چونکہ ایک انگریزی لفظ کا الحاق زیادہ ساتھ مستقل طور پر مجھے گوارا نہ تھا، اس لئے لفظ اڈیٹر اختیار نہیں کیا گیا۔

مستفسرین کی تعداد اس قدر بڑھتی جاتی ہے کہ مشکل سے ماہ بماہ میں ان کی طرف توجہ ہو سکتی ہے، اس لئے اگر کسی صاحب کے استفسار کا جواب تعویق سے شائع ہو تو اسے میری غفلت پر محمول نہ کیا جائے، بلکہ اس کا سبب ہجوم کار قرار دیا جائے۔

۱۰ مئی ۴۳ء		نیاز فتحپوری

نگار

مجلد ۳
شمارہ ۶

جون ۱۹۲۳ء

قیمت سالانہ پیشگی ۵؍
قیمت ایک پرچہ ۸؍

نہضت قومی کے حیرتناک مناظر

اہل امریکہ کی خصوصیات کبریٰ

(۲)

فروری کی اشاعت میں ظاہر کیا گیا ہے کہ اہل امریکہ کے مظاہر حیات جن سے ان کی قومی زندگی کا پتہ چلتا ہے، کس قدر عجیب و غریب ہیں۔ آج کی صحبت میں ہم پروفیسر فلب کے تجربات ہشت سالہ سے مدد لیکر انکی دیگر خصوصیات بتانا چاہتے ہیں، جن میں بلاد مشرق کے رہنے والوں کے لئے بہت کچھ سامان عبرت و بصیرت پنہاں ہیں۔

کمال۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اہل امریکہ حد درجہ عشرت پسند ہیں اور انکی زندگی سیماب کی سی مضطرب زندگی ہے۔ ممکن ہے اس سے ایک شخص یہ نتیجہ اخذ کرے کہ سرعت کی وجہ سے ان کے تمام کام ناقص ہوتے ہونگے، لیکن یہ نتیجہ نکالنا بالکل خلاف حقیقت ہوگا، کیونکہ باوجود اس التزام کے کہ امریکہ کا آدمی ایک کام پر زیادہ وقت صرف کرنا نہیں چاہتا اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ تھوڑی مدت میں قلیل ترین صرفہ کے ساتھ بہت زیادہ اور بہتر کام دیکھنا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں Efficiency (کمال) کی جستجو رہتی ہے لفظ "افشنٹ" (Efficient) بالکل جدید لفظ ہے جو اس قوم کی لغت میں داخل ہوا ہے او

اور اب اسکی مانگ اس قدر کثرت سے ہے کہ کوئی کارخانہ، کوئی مدرسہ، کوئی صنعت گاہ، کوئی محکمہ اور شعبہ حیات ایسا نہیں ہے جہاں کمال کی تلاش نہ ہو۔

ایک کاشتکار چاہتا ہے کہ اسکے پاس جدید ترین آلۂ زراعت موجود ہو، ایک لوہار خواہشمند رہتا ہے کہ وہ مہذب ترین آلات حدادی سے کام کرے، یہاں تک کہ ایک مالک مکان بھی یہی چاہتا ہے کہ اس کے مکان میں وہی شخص قیام کرے جو کسی نہ کسی کام میں "کمال" رکھتا ہو۔ قبل اس کے کہ لندن میں ٹیلی فون کا رواج ہوتا، امریکہ کا ایک ایک شہر اور ایک ایک گھر میں پھیل گیا۔

فروری کے نگار میں ظاہر کیا گیا تھا کہ امریکہ کے بعض مکان پچاس پچاس منزل کے ہیں اور میرے بعض احباب کو اسکے یقین کرنے میں تامل ہوا لیکن میں ان کو بتانا چاہتا ہوں کہ وہاں بعض عمارات پچاس منزل سے بھی زیادہ بلند ہیں، چنانچہ قصر وولورتھ ۵۵ منزل کی عمارت ہے جسکی بلندی تقریباً ۷۵۰ گز ہے اور جسکی تعمیر میں ایک کرور پچاس لاکھ ڈالر صرف ہوئے ہیں، یہی حال امریکہ کے پلوں کا ہے، چنانچہ بروکلین کا پل ۱۲۰۰ گز سے زیادہ طویل ہے۔ پھر کیا یہ عالیشان عمارتیں اور بڑے بڑے پل اہل امریکہ کی قوت عمل پر شاہد نہیں ہیں اور کیا یہ اُن کے کمال کو ظاہر نہیں کرتے

اہل امریکہ نے اپنے قوت عمل کا بہترین منظر دوران جنگ میں پیش کیا کہ ایک سال کے اندر چالیس لاکھ فوج مرتب کرکے معہ تمام ضروری (بلکہ ضرورت سے زیادہ) ذخائر حرب وغیرہ کے میدان جنگ کی طرف بھیجدی۔ چونکہ امریکہ جنگ کے لئے طیار نہ تھا اس لئے دنیا کہتی تھی کہ جنگ ختم ہو جائے گی جب کہیں امریکہ اپنی فوج مرتب کر سکے گا، لیکن اسنے ایک سال کے اندر دس چھاؤنیاں قائم کر کے چالیس لاکھ فوج بھرتی کر لی اور دو سو جہاز مخصوص طور پر طیار کرا کے ان کے ذریعہ سے میدان جنگ کو بھیجدیا۔

اہل امریکہ کی یہ عجیب و غریب خصوصیت ہے کہ بانداز مشکلات ان کی قوت عمل بھی بڑھتی جاتی ہے اور جب وہ اپنے ملک کی تعریف کرتے ہیں تو اُسے "Land of dare & do." (سر زمین جرأت و عمل) کہتے ہیں۔

تکلفات سے احتراز اہلِ مشرق کی خصوصیت ہے کہ جب وہ باہم ملتے ہیں تو بڑا وقت تکلف کی گفتگو میں صرف ہو جاتا ہے لیکن امریکہ کا انسان ان بیکار باتوں میں وقت ضائع نہیں کر سکتا اور اگر کوئی شخص اس انداز سے اسکے ساتھ پیش آئے تو اُسے ناگوار ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ پروفیسر فلپ کے کوئی دوست نیویارک پہونچے، چونکہ یہاں یہ بالکل اجنبی تھے، اس لئے رستہ بھول گئے اور پولیس کے سپاہی سے (جو بیچ سڑک میں کھڑا ہوا موٹروں کو اپنے ہاتھ کے اشارے سے اِدھر اُدھر گذرنے کی اجازت دیتا تھا) مدد لینی چاہی۔ جب اسکے پاس پہونچے تو اپنی مشرقی عادت سے مجبور ہو کر پہلے نہایت پر تکلف الفاظ میں دعا و سلام پیش کیا اور پھر اُسکی سلامتی و صحت کا حال پوچھا۔ یہ منتظر تھے کہ جواب میں یہ سپاہی بھی اسیطرح پیش آئے گا، لیکن اسکو یہ باتیں ناگوار ہوئیں، اور اسنے یہ آواز بلند صرف یہ کہا "What next?" "بے فائدہ مطلب کی بات کہو۔"

جب ڈاکٹر واندٹیک دمشق پہونچے تو وہاں کے ایک بنک میں گئے تاکہ ایک نوٹ خردہ کرائیں بنک کے منیجر نے ان کو دیکھتے ہی نہایت تعظیم کی، سگار و قہوہ پیش کیا اور ایک کرسی پر بٹھا کر دیر تک ان کی صحت و عافیت کا حال دریافت کرتا رہا، لیکن جب اسکے بعد اصل معاملہ پیش کیا تو اسنے نوٹ دینے سے انکار کر دیا۔ لیکن اگر واندٹیگ امریکہ میں ہوتے، تو سگار و قہوہ سے تو محروم رہتے مگر روپیہ انہیں اُسی وقت مل جاتا۔

تفاؤل اہلِ امریکہ کی ایک اور خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ ہر کام کو نظرِ تفاؤل (Optimism) سے دیکھتے ہیں۔ "تفاؤل" سے مراد یہ ہے کہ ہر کام کے روشن پہلو کو پیشِ نظر رکھا جائے اور مایوسی کا خیال بھی دل میں نہ آئے۔ امریکہ کا انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے مسرور طبع واقع ہوا ہے اور وہ اُس حالت پر قانع ہے جس میں وہ زندگی بسر کر رہا ہے۔ اس کا سینہ امیدوں اور ولولوں سے لبریز ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مستقبل بے انتہا روشن ہے۔ وہ یاس و ناامیدی سے بالکل ناآشنا ہے اور اس کا اعتقاد ہے کہ وہ کبھی ناکامیاب نہیں ہو سکتا چنانچہ عین اُس وقت جب کہ مشرق کے ہزارہا انسان مصائبِ دنیا سے تنگ آکر اپنی جانیں دیدیتے ہیں، امریکہ کا آدمی اس عالم کے نسبت یہ رائے رکھتا ہے کہ:

After all this world is not bad to live in

(بہرحال یہ دنیا زندگی بسر کرنے کے لئے بُری نہیں)

مشرقی افق میں صرف ایک بادل کا ٹکڑا نظر آجائے، پھر دیکھو کہ کس طرح وہاں کی ہر ہر زبان سے What a beautiful day (کیسا خوبصورت دن طلوع ہوا ہے!) ادا ہو رہا ہے۔

وہاں کے لوگ جب کسی جگہ تعزیت کے لئے جاتے ہیں تو ان کے الفاظ تسلی یہی ہوتے ہیں کہ مرنے والا کیسا حسین و دلکش تھا، گویا اُن کے نزدیک قابلِ اعتنا امر صرف اسکا حسن تھا "یہ عالم ہے اہل امریکہ کے "تفاول" کا۔

خوش مزاجی | ان کی ایک خصوصیت خوش مزاجی (Humour) بھی ہے۔ وہاں کا کوئی تھیٹر، کوئی تماشہ، کوئی تقریر و تحریر ایسی نہیں ہوتی جس میں خوش مزاجی نہ پائی جاتی ہو یہی وجہ ہے کہ وہاں ہر زمانہ میں کوئی نہ کوئی مصنف ایسا ضرور پایا جاتا ہے جو اپنے مضحک انداز بیان کے لحاظ سے مشہور ہوتا ہے چنانچہ مرک تواین اور ارتیموس ورڈ وغیرہ کے انداز تحریر سے کون واقف نہیں ہے۔ اہل امریکہ ہر وقت ہنسنا اور ہنسانا چاہتے ہیں اور یہ ذوق اُن کی فطرت ثانیہ ہو کر رہ گیا ہے جس زمانہ میں مرک تورین، یورپ کا سفر کر رہا تھا تو بعض جرائد امریکہ نے اسکے وفات کی خبر شائع کر دی۔ جب اسے معلوم ہوا تو اس نے ان اخبارات کو تار دیا کہ "میری موت کی خبر میں بہت مبالغہ سے کام لیا گیا ہے"۔

کارٹون (صور ہزلیہ) شائع کرنا ان کے ہاں نہایت معمولی بات سمجھی جاتی ہے، اور بڑے سے بڑے آدمی کے بُرے سے بُرے کارٹون بنانا اُن کا روز کا مشغلہ ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ جس کا مذاق اڑایا جاتا ہے اُسکو قطعاً ناگوار نہیں ہوتا۔ جب کارٹون میں روزویلٹ کے دانت ہاتھی کی طرح اور پریسیڈنٹ ولسن کی ناک بہت لانبی سونڈ کی طرح دکھائی گئی اور امریکہ کی ان عظیم ہستیوں نے اس کارٹون کو دیکھا، تو ہنستے ہنستے وہ بے اختیار ہو گئے۔

حیات انفرادی و ہیئت اجتماعی | یہ فطرت انسانی ہے کہ جب اسکی قوت فاعلیت بڑھ جاتی ہے تو اس میں سرکشی و تمرد کے جذبات پیدا ہونے لگتے ہیں اور وہ بجائے تعاون کے دوسرے

ابنائے جنس کے لئے ضرر رساں ثابت ہوتا ہے لیکن اہل امریکہ کی شان اس سے بالکل جدا ہے یعنی باوجود اس کے کہ ان میں انفرادی نقطۂ نظر سے اک استقلال مستحکم، اک عزم راسخ اور اعتماد علی النفس کی قوی ترین روح پائی جاتی ہے، لیکن پھر بھی ان میں تعاون و مشارکت کا جذبہ بہت نمایاں ہے۔

حیات اجتماعی کے دو پہلو ہیں، ایک تو وہ جو ہر ہر فرد سے جداگانہ متعلق ہوتا ہے اور دوسرا وہ جو ہئیت اجتماعی سے وابستہ سمجھا جاتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اہل امریکہ کے یہ دونوں پہلو حد درجہ مکمل اور مستحکم ہیں۔ انفرادی حیثیت سے انکی آزادی کا یہ عالم ہے کہ ایک لڑکا جوان ہوتے ہی اپنے آپ کو دنیا کا ایک مستقل عضو سمجھنے لگتا ہے اور اسکے والدین یا دوسرے اعزا کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہوتا کہ وہ کسی پیشہ کے اختیار کرنے یا کسی خاص جگہ شادی کرنے پر اُسے مجبور کرسکیں۔ رہی اجتماعی حیثیت سو اس کا یہ حال ہے کہ وہاں کا پریسیڈنٹ بھی اپنے اختیار سے کوئی بات نہیں کرسکتا۔

تعلیمی آزادی امریکہ میں اس وقت ۴۸ صوبے ہیں اور ان صوبوں کے ہر ہر شہر کا نظام تہذیب بالکل مستقل و آزاد ہے، مدارس عمومی کا قیام، قواعد کی ترتیب، تعین نصاب طریق تعلیم وغیرہ کا اہتمام بالکل شہر کی انتظامی جماعت کرتی ہے اور مدیر معارف (کمشنر تعلیم) کو سوائے مشورہ دینے کے کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ نہ وہ کسی معلم کو علحدہ کرسکتا ہے، نہ کسی مدرس کو مقرر کرسکتا ہے، نہ نصاب کا تعین اس کے اختیار میں ہے اور نہ وہ کوئی تغیر و تبدل کرسکتا ہے، اس کا کام صرف اس قدر ہے کہ اگر اس سے کوئی مشورہ طلب کیا جائے تو وہ اپنی معلومات کی بنا پر پیش کردے، اس کو ماننا یا نہ ماننا مقامی ہیئت اجتماعی کے اختیار میں ہے۔

جرمنی کا نظام تعلیم اس سے مختلف ہے، یہاں کا نظام ایک مرکز سے وابستہ ہے جسے وزیر معارف کہتے ہیں۔ تمام ملک میں اساتذہ کا مقرر کرنا، نصاب کا تعین، قواعد کا نفاذ اسی کے اختیار میں ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہاں سارے ملک میں وطنیت واحد اور رائے مشترک نظر آتی ہے۔ گزشتہ جنگ میں جرمنی کی آبادی کا صرف قیصر کے حکم استبداد کے

سامنے گردن جھکا دینا اسی جذبہ کی بنا پر تھا۔

تعاون و مشارکت اہل امریکہ کی اشتراکیت ان کے تمام اعمال و قوانین میں یکساں طور پر پائی جاتی ہے، یہاں تک کہ جب وہ اشتراکیت و تعاون کو ضروری خیال کرتے ہیں تو ان کی انفرادی حیثیت بالکل محو ہو جاتی ہے اور وہ اشتراکیت کے زبردست رکن بن جاتے ہیں۔ لفظ Co-operation (تعاون) قاموس حیات کا بالکل جدید لفظ ہے، لیکن چونکہ یہ سرار ترقی کا نہایت زبردست راز ہے، اس لئے اب اہل امریکہ کی زبانوں پر، ان کے صحائف و جرائد میں اور ان کے تمام مطبوعات میں یہ لفظ کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ترقی کرنا منحصر ہے صرف تعاون و مشارکت پر۔

ہندوستان میں بھی اس لفظ کا استعمال شروع ہوا، لیکن منفی معنی میں، یعنی حکومت کے ساتھ نان کوآپریشن (عدم تعاون) کی حیثیت سے۔ ہم اس وقت اس مسئلہ پر کوئی رائے زنی کرنا نہیں چاہتے، لیکن اس قدر ضرور عرض کرینگے کہ سب سے پہلے اپنے اوپر تعاون کی کیفیت طاری کرنا ضروری تھی، کیونکہ حکومت کے ساتھ عدم تعاون بیکار ہے اگر پہلے اپنے افراد میں جذبۂ تعاون نہ پیدا کیا جائے۔

امریکہ میں تعاون کے مناظر ہر جگہ نظر آتے ہیں اور اگر وہاں ایک شخص کسی تجویز کو شاہراہ عام پر بیان کرنے کھڑا ہو جاتا ہے تو اُسی وقت ہزاروں نفوس اس کی اعانت کے لئے متبع ہو جاتے ہیں، حتیٰ کہ تجویز، تدبیر، عمل اور نتیجہ کے تمام مراحل ایک ساعت کے اندر طے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ امریکہ میں عورتوں، لڑکیوں، شاعروں، ادیبوں اخبار نویسوں، تاجروں، اندھوں، یتیموں، الغرض تمام جماعتوں کے لئے کثیر انجمنیں قائم ہیں جن کا مقصود صرف یہ ہے کہ وہ اپنے اعضاء کی مدد کریں اور ان انجمنوں کے قیام کی تاریخ اگر آپ معلوم کرنا چاہیں گے تو پتہ چلیگا کہ وہ صرف ایک آدمی کی آواز پر ظہور میں آگئی تھیں۔

اقدام عمل اس وقت کہ امریکہ بالکل تارک الخمر ہے اور شراب پینا وہاں جرم سمجھا جاتا ہے، لیکن یہ کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ اس خیال کی ابتداء ایک خاتون کی طرف سے ہوئی۔ یہاں کسی شہر میں کوئی ضعیف عورت جسکی عمر سو سال کی تھی اور جو شراب کے جسمانی، عائلی اور اقتصادی

نقصانات سے پوری طرح واقف تھی اُٹھ کھڑی ہوئی اور اسنے سب سے پہلے اپنے شہر میں ایک مختصر سی جمعیت برپا کی جسکے اکثر افراد اصحاب کلیسہ میں سے تھے اس کے بعد دوسرے قریب کے شہر میں یہ خیال شائع ہوا، پھر تیسرے اور چوتھے میں، یہاں تک کہ قلیل مدت میں ایک ایک شہر ایک ایک گلی میں شراب کی طرف سے نفرت پیدا ہو گئی، اور تمام جرائد و اخبارات نے اس کی مخالفت شروع کر دی یہاں تک کہ شراب خوری قانوناً جرم قرار دیدی گئی۔

امریکہ میں ادبی، اجتماعی، اور رفاہ عام کی انجمنیں کثرت سے قائم ہیں اور ان میں سے ہر ایک عملی حیثیت سے نظام حکومت کی شریک ہے۔ مثلاً نیویارک میں اگر پچاس شفاخانے حکومت بلدی کی طرف سے قائم ہیں تو اس سے دو چند تعداد ان شفاخانوں کی ہے جسے بنظر رفاہ دوسرے لوگوں نے قائم کیا ہے۔ اندریو کارنگی اس وقت تک چالیس کروڑ ڈالر اہل امریکہ کی ترقی کے لئے صرف کر چکا ہے اور راکفلر نے بے اندازہ دولت صرف اس لئے صرف کر دی ہے کہ کسی طرح امریکہ میں وہ تپ نہ پھیلنے پائے جو پناما کے قرب و جوار میں پھیلتی ہے اور ہزاروں آدمیوں کی جان لیتی ہے۔

احساس فرض شناسی

اہل امریکہ میں ایک اور خصوصیت جو نمایاں طور پر نظر آتی ہے وہاں کا انتظام ہے۔ انتظام سے مراد حکومت کا قانون نہیں بلکہ خود ان لوگوں کا احساس فرض شناسی ہے۔ ہندوستان اور تمام بلاد مشرق میں ہجوم و ہنگامہ کے مناظر اپنی بدترتیبی اور بدتہذیبی کے لحاظ سے مشہور ہیں لیکن امریکہ میں بڑے بڑے ہجوم میں بھی ترتیب نہیں بگڑتی۔ اگر آپ وہاں کسی سڑک پر کھڑے ہو کر کسی اشتہار کے تقسیم کرنے کا اعلان کریں گے تو ہندوستان کی طرح وہاں کے لوگ آپ پر ٹوٹ نہیں پڑیں گے بلکہ باقاعدہ عسکری نظام کے ساتھ صف کی صورت میں کھڑے ہو جائیں گے اور اپنے نمبر کے لحاظ سے آگے بڑھ کر آپ سے اشتہار لیں گے۔

پروفیسر فلپ کا بیان ہے کہ جب میڈیسن اسکوائر گارڈن میں ولسن کی تقریر ہوئی تو میں بھی سننے کے لئے روانہ ہوا دیکھا کہ ہزاروں آدمی ایک قطار کی صورت میں چلے جا رہے ہیں اور دروازہ کے اندر ایک ایک کر کے داخل ہو رہے ہیں۔ ممکن تھا کہ وہ ہجوم کر کے دروازہ کے چاروں طرف جمع ہو جاتے اور ان میں سے ہر ایک پہلے داخل ہونے کی کوشش کرتا، لیکن وہ ایسا نہیں کر سکتے

کیونکہ یہ بدتمیزی ان کی فطرت کے خلاف ہے ان کا مقولہ ہے کہ First come first served اور اس لحاظ سے وہ دوسرے کے حقوق کو کبھی پامال کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ جب میدان اندر سے بھر گیا تو دروازہ بند ہو گیا اور جو لوگ باقی رہ گئے تھے واپس چلے آئے۔ پھر اس پر لطف یہ ہے کہ اس نوع کی ترتیب یا تہذیب قائم رکھنے کے لئے وہاں پولیس وغیرہ کا انتظام نہیں ہوتا اور نہ اسکی ضرورت ہے، کیونکہ ہر شخص اپنی جگہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا فرض کیا ہے اور تہذیب کس بات کی مقتضی ہے۔

الغرض وہاں حسن ترتیب و تنظیم کا عجب عالم ہے شکاگو میں ایک مشہور کمپنی سوئفٹ Swift گوشت فراہم کرنے کا کاروبار کرتی ہے۔ پروفیسر فلپ ایک دن اس کارخانہ کو دیکھنے گئے تو وہاں کے انتظام کو دیکھ کر متحیر رہ گئے وہ لکھتے ہیں کہ میں نے دروازہ کے اندر داخل ہوتے ہی داہنے طرف ایک آدمی کو دیکھا جو ہاتھ میں بڑا زبردست ڈنڈا لئے ہوئے کھڑا ہے۔ اس کے سامنے سے بیل جو کہربائی قوت سے حرکت کرنے والے تختے پر کھڑا ہوا ہے گزرتا ہے اور یہ ڈنڈا اس کے سر پر مار کر بیہوش کر دیتا ہے، اس کے بعد جب بیل دوسرے آدمی کے پاس سے گزرتا ہے تو وہ ایک نیزہ سے شہ رگ قطع کر دیتا ہے جس کا خون ایک نلی میں جمع ہوتا ہے، تیسرا آدمی کوہان کاٹ دیتا ہے، چوتھا کھال ادھیڑنے کی ابتدا کرتا ہے، یہاں تک کہ اس متحرک تختہ پر پڑے پڑے کھال، بال، دانت، چربی، سینگ، گوشت، سب الگ الگ ہو جاتے ہیں اور جانور کا ایک ایک جزو متعلقہ کارخانہ میں پہونچ کر دباغت و صفائی وغیرہ کے بعد ڈبوں یا بنڈلوں میں بند ہو جاتا ہے اور اس طرح صبح سے شام تک ہر شخص کھڑا ہوا اپنے فرض کو مشین کی طرح انجام دیتا رہتا ہے۔

ابداع و ذہانت اہل امریکہ کا دماغ ایجاد و اختراع کے لئے بہت موزوں واقع ہوا ہے۔ وہ قدیم قیود سے اپنے کو بالکل آزاد دیکھنا چاہتا ہے اور اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ زندگی کا ہر لمحہ کسی نئی ایجاد سے وابستہ ہو۔ فرض کرو کہ ایک بازیگر آہنی گولوں کا تماشہ کر رہا ہے اور وہاں پولٹزر (Pulitzer)، ورگلی (Wrigly)، بلاسکو (Belasco)، اڈیسن (Edison) اور راکفلر (Rockfiller) بھی موجود ہیں۔ اس وقت تک کہ یہ تماشہ ہو رہا ہے وہ بھی دوسرے تماشائیوں کے ساتھ قہقہہ و مسرت میں مصروف نظر آئیں گے، لیکن دل میں

جدا ہوتے ہی پولٹزر، اس فکر میں مبتلا ہو جائے گا کہ وہ اپنے اخبار "ورلڈ" میں اس فن کے متعلق کس انداز سے ایک افتتاحیہ لکھے، ورگلی سوچے گا کہ اس قسم کے تفریحی مجموں میں وہ کس طرح اپنی بنائی ہوئی چیونگ گم (chewing gum) کو مقبول بنائے۔ بلاسکو غور کرے گا کہ وہ کونسا افسانہ لکھے جس میں ایک بازیگر ہیرو قرار دیا جا سکے، اڈیسن اس خیال کو دل میں لیجائے گا کہ ایسے مجامع میں کہربائی روشنی اور ہوا کے انتظام کے لئے کونسا آلہ ایجاد کرے۔ اور راکفلر موٹر پر سوار ہوتے ہی بنزین گیس (Benzine gas) کی قیمت بڑھانے کی تدابیر سوچنے لگا کیونکہ اسنے تماشہ میں لوگوں کو مطمئن و فارغ البال دیکھا تھا۔

قوت آخذہ قوت ایجاد و ابداع کا خاصہ ہے کہ وہ ایک بات کو دیکھ کر فوراً اس سے ایک نتیجہ اخذ کرتی ہے اور اس خیال کو ترقی دیکر بہت سی مفید چیزیں بنا دیتی ہے، پھر چونکہ اہل امریکہ کی قوت ایجاد بڑھی ہوئی ہے اس لئے ان کی قوت آخذہ بھی اسی نسبت سے کام کرتی ہے۔

ایک دن کولیر کمپنی (Collier Co.) کے کسی افسر نے ہرورڈ یونیورسٹی کے رئیس (ڈاکٹر ایلیٹ) کی تقریر اخبار میں دیکھی جس میں ظاہر کیا گیا تھا کہ دنیا کا بہترین لٹریچر ۵ فٹ کی الماری میں آسکتا ہے" اس نے فوراً شرکا کمپنی کو طلب کر کے شام تک فیصلہ کرلیا اور دوسری صبح کو یہ اشتہار امریکہ کے تمام اخباروں میں درج تھا کہ "ڈاکٹر ایلیٹ کی ۵ فٹ کی الماری جسمیں تاریخ مذہب، فلسفہ و ادب کی بہترین کتابیں پائی جاتی ہیں صرف کولیر کمپنی سے مل سکتی ہیں۔

اس اشتہار کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند دن میں لاکھوں ڈالر کا فائدہ اس کمپنی کو ہو گیا۔

پروفیسر فلپ کی ملاقات ایکدن اس شخص سے ہو گئی جسنے قاموس تشبیہات (Dictionary of Similes) مرتب کی ہے۔ اسنے بیان کیا کہ "ایکدن میں بوسٹن میں کسی اخبار کو دیکھ رہا تھا کہ اس میں ایک ایسی تشبیہ آئی جو میری نظر سے اس وقت تک نہ گزری تھی، میں نے اسی وقت بازار جا کر کوئی ایسا لغت تلاش کیا جس میں یہ تشبیہ درج ہو۔ لیکن کوئی نہ ملا آخر کار میں نے اسکی ضرورت کو محسوس کیا اور باوجود اسکے کہ مجھے اپنے تجارتی کاروبار سے فرصت نہ تھی اسکے ترتیب میں مصروف ہو گیا اور بیس سال کی محنت میں پورا کر سکا۔

امریکہ میں عید میلاد میں بڑی خوشی منائی جاتی ہے، اور دوست احباب، اعزا واقارب میں باہم تبادلہ تحائف ہوا کرتا ہے ایک غریب نجار (مسٹر جیمس) اس تقریب پر پریشان تھا کہ کیونکر اپنی متعدد اولاد کو تحفہ دے سکے۔ آخرکار اسنے کچھ غور کرکے لکڑی کا ایک گھوڑا بنایا جو پہیوں پر چلتا تھا اور اُسپر ایک لڑکا آسانی سے بیٹھ کر چلا سکتا تھا۔ جب ۲۵ دسمبر کا دن طلوع ہوا اور محلہ کے تمام لڑکے اپنے اپنے تحائف لئے ہوئے نکلے تو جیمس کے بچے سب میں ممتاز نظر آتے تھے، کیونکہ وہ لکڑی کے گھوڑوں پر دوڑے پھرتے تھے جو بالکل جدید بات تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چاروں طرف سے اس چوبی گھوڑے کی مانگ ہونے لگی یہاں تک کہ آج امریکہ کا ایک گھر بھی ایسا نہیں ہے جہاں یہ کھلونا جسے وہ لوگ "تشو تشو کار" کہتے ہیں نہ پایا جاتا ہو۔

امریکہ کا ایک سیاح بلاد انگلستان میں سیاحت کر رہا تھا کہ لندن پہونچکر وہ کسی جگہ رستہ بھول گیا، اسنے ایک لڑکے کو جاتے ہوئے دیکھا اور اسکی مدد سے وہ اپنے جائے قیام پر پہونچگیا اسنے لڑکے کو رخصت کرتے وقت کچھ انعام دینا چاہا۔ لیکن اسنے کہا کہ "میں انعام نہیں لے سکتا کیونکہ میرا تعلق جماعت کشاف (Scouts) سے ہے"۔ امریکن سیاح نے پہلی مرتبہ اس جماعت کا نام سنا تھا۔ چنانچہ اسنے کتابیں لیکر اس جماعت کے پورے حالات معلوم کئے اور امریکہ آکر اسکی بنیاد ڈالی۔ اب امریکہ کا کوئی شہر ایسا نہیں ہے جہاں یہ جماعت نہ پائی جاتی ہو۔

دوران جنگ میں جب کپڑے کی قیمت بہت بڑھ گئی تو ایک طالب علم نے اپنی ماں سے کہا کہ مجھے تم کینوس (Canvas) کی عبا (overall) بنا دو"۔ چونکہ اسکی ماں فن خیاطی کی ماہر تھی اسلئے اسنے نہایت خوشنما عبا تیار کر دی اور یہ اسی کو پہن کر مدرسہ گیا۔ اس تحریک نے اسقدر مقبولیت حاصل کی کہ وہاں کثرت سے اُوور آل کلب (overall club) قائم ہو گئے۔

یہ حال ہے اُن لوگوں کا جو معمولی علم و قابلیت کے لوگ ہیں اڈیسن جسے ساحر کہربائی کہنا چاہئے، یا رائٹ (موجد طیارات) یا بل (Bell) ماہر ٹیلیفونیات کا ذکر نہیں جن کے کارنامے بیان کرنے کے لئے دفتر کے دفتر درکار ہیں۔

امریکہ کے اسباب ترقی | اہل امریکہ کی قوت عمل و ترقی کے اسباب پر غور کیا جاتا ہے تو اسکے تین محرک نظر آتے ہیں۔ (۱) تاریخی، (۲) جغرافی، (۳) تقلیدی۔

محرکِ تاریخی:- کولمبس نے ۱۴۹۲ء میں امریکہ دریافت کیا، لیکن سوائے بعض مستعمرات ہالینڈ کے سارا ملک سترھویں صدی تک خالی پڑا رہا۔ ۱۶۲۰ء میں سب سے پہلے بلادِ انگلستان کے لوگوں نے ہجرت شروع کی جو بے انتہا عزم و ثبات کی دلیل تھی۔ اس کے بعد فرانس، جرمنی اور سوئٹزرلینڈ کے لوگوں نے اس طرف توجہ کی۔

اس زمانہ میں سمندر کا سفر سخت خطرناک تھا اور صرف وہی نفوس اس خطرہ میں پڑ سکتے تھے جو اپنے جذبۂ دینی، قوتِ عمل اور صحتِ جسمانی کی لحاظ سے بہترین افراد تھے اس لئے ظاہر ہے کہ ان کی اولاد میں بھی یہی خصوصیات منتقل ہونی چاہیئے تھیں۔

محرکِ جغرافی:- جب مہاجرینِ یورپ یہاں آئے تو انہوں نے یہاں کی زمین کو کاشت کیلئے بہت مناسب پایا اور تلاش سے اس میں معدنوں کا ہونا بھی پایا گیا۔ چونکہ یہ لوگ مستقل عزم و ارادے کے تھے اس لئے اُنھوں نے یہاں کی سرزمین سے پوری طرح فائدہ اُٹھانا چاہا اور اسمیں کامیاب ہوئے۔

علاوہ اس کے یہاں کی آب و ہوا خود ترقی کی معاون ہے۔ چونکہ گرمی بالکل نہیں ہوتی اسلئے وہ کسل جو گرم ملکوں میں کے طبائع میں پیدا ہو جاتا ہے یہاں بالکل مفقود ہے۔ یہ لوگ موسم کے خوشگوار ہونے کی وجہ سے ہر وقت کام کرتے رہتے ہیں اور مشکل سے تھکن محسوس ہوتی ہے۔

محرکِ تقلیدی:- علاوہ تاریخی و جغرافی محرکات کے ایک محرک یہاں کا تربیت و تقلید بھی ہے۔ گھر کے اندر ماں، مدرسہ میں استاد، منبر پر واعظ، اخبارات میں اڈیٹر، سب کے سب فرزندانِ امریکہ کو یہی درس دیتے ہیں کہ زندگی نام ہے صرف عمل و اجتہاد کا اور ترقی کا راز صرف یہ ہے کہ کسی ایک نقطے پر پہونچکر قناعت نہ کی جائے بلکہ ہر وقت آگے بڑھنے کی کوشش میں وقت صرف کیا جائے۔ پھر اسکے ساتھ ہی اگر کسی طبیعت میں جمود پایا جاتا ہے تو اس کے سامنے ہلاں کے کارنامے بیان کئے جاتے ہیں اور اُن کی زندگی کے واقعات سامنے لاکر اس میں شوق عمل پیدا کیا جاتا ہے +

ناطان

بہ سلسلہ اشاعت گزشتہ

(پہلا ایکٹ)

تیسرا سین

ناطان اور درویش

درویش۔ ہاں ذرا خوب اچھی طرح آنکھیں پھاڑ کے دیکھو۔

ناطان۔ ارے میاں یہ تم ہی ہو، یا کوئی اور ہے؟ —— ایسے ٹھاٹھ ہیں، اور درویش!

درویش۔ پھر کیوں نہ ہوں؟ درویشوں سے کیا دنیا کا اور کوئی کام لیا ہی نہیں جا سکتا ہے؟

ناطان۔ ہاں شاید۔ —— مگر بھئی میرا تو یہی خیال ہے کہ اصلی درویشوں کو کبھی یہ خیال نہ ہوگا کہ اُس سے اور کچھ بھی کام لیا جائے۔

درویش۔ قسم ہے رسول کی، چاہے میں اصلی درویش نہ بھی ہوں مگر جب کسی کو ہونا پڑے تو ——

ناطان۔ ہونا پڑے! درویش کو؟ —— درویش کو ہونا پڑے۔ کسی کو ہونا پڑے، نہیں ہونا چاہئیے!

اور پھر خاص کر ایک درویش کو؟ اچھا پھر ہونا پڑے، تو کیا؟

درویش۔ تو یہ کہ جو کچھ اس سے ہونے کو کہا جائے —— بلکہ خوشامد کی جائے —— اور وہ بھی سمجھتا ہو کہ وہ کام بھی اچھا ہے تو ایک درویش کو بھی ایسا ہی کرنا چاہئیے۔

ناطان۔ اللہ غنی! ہاں بھئی سچ کہتے ہو۔ —— آؤ میاں، آؤ۔ ذرا تمھیں سینے سے لگالوں —— تم اب بھی میرے دوست ہو؟

درویش۔ ارے میاں پہلے یہ نہیں پوچھ لیتے کہ اب میں ہو کیا گیا ہوں۔

ناطان۔ اُنھ۔ چاہے تم کچھ ہی ہو گئے ہو۔

درویش۔ اچھا اگر میں سلطنت کا چھوٹا موٹا سا خادم ہو گیا ہوں، اور اس وجہ سے تم میری دوستی کو

پسند نہ کرو، تو کیا ؟-

ناطان - اگر تمھارا دل اب بھی درویش ہی ہے تب تو میرا کچھ نہیں گیا کسی طرح نباہ ہی لونگا . رہا تمھارا عہدہ، میری نگاہ میں اسکی ان کپڑوں سے زیادہ قدر نہیں ہے جو تم پہنے کھڑے ہو-

درویش - پھر بھی کیا ہے . اس کا ادب تو تم کروگے ہی . کیوں ، کیا سوچنے لگے ؟ —— اچھا یہ بتاؤ کہ اگر تم دربار والے ہوتے، تو میں اس دربار میں کیا ہوتا ؟

ناطان - درویش ہوتے، اور کیا ہوتے ؛ یا زیادہ سے زیادہ تم میرے —— باورچی ہوتے -

درویش - جی ہاں ، بجا ہے : جناب کے پاس رہ کے سیکھا سکھایا بھی بھلا دینے کو . ——

باورچی ، چہ خوش ! آپ کا خانساماں ہی کیوں نہ ہوتا ؟ —— میں سچ کہتا ہوں صلاح الدین میری بہت قدر کرتا ہے . میں اُس کا خزانچی ہو گیا ہوں -

ناطان - تم ؟ —— سلطان کے ہاں ہو ؟

درویش - میرا مطلب یہ ہے کہ میں اس کے ذاتی خزانے کا داروغہ ہوں . اس کا باپ اب بھی بیت المال کا قابض ہے —— اور میں اسکے گھر کا خزانچی ہوں .

ناطان - گھر بھی تو اُس کا خاصہ بڑا ہے -

درویش - بلکہ جتنا تم سمجھتے ہو اس سے بھی بڑا ہے . جس ٹکڑ گدے کو دیکھو اسی کے خاندان کا بنا ہے

ناطان - تاہم ، صلاح الدین ان کم بختوں سے اتنی نفرت کرتا ہے کہ ——

درویش - کہ اس نے بھی قسم کھائی ہے کہ ان کو سرے سے مٹا ہی کے چھوڑوں گا —— چاہے ایسا کرنے میں میاں صاحب خود بھی فقیر ہو جائیں -

ناطاں - ہاں یہی میں سوچ رہا تھا -

درویش - بلکہ یوں کہو کہ ابھی سے وہ کنگال ہو گیا - ہر روز اُس کا خزانہ خالی کیا، خالی سے بھی بدتر ہوتا ہے . صبح کے وقت جو ایک جوار بھاٹا سا آتا ہے، وہ دوپہر تک اُترا اُترا کے ختم بھی ہو جاتا ہے -

ناطان - کیونکہ اسے نہریں چوس جاتی ہیں . کم سے کم ایک حصہ کا تو یہ حال ضرور ہوتا ہے اور پھر اُسے روکنا اور بند کرنا بالکل ناممکن ہو جاتا ہے -

درویش۔ ٹھیک!

ناطان۔ میں سب جانتا ہوں!

درویش۔ اول تو یہی برا ہے کہ بادشاہ لوگ رگدھوں کی طرح مرداروں پر جا پڑیں اور خود ہی رگدھوں کے سامنے مردار بن جائیں تب تو اور بھی دس گنا بدتر ہوئے۔

ناطان۔ نہیں درویش، ایسا بھی نہیں ہے۔

درویش۔ صاحب! یوں کہہ دینا تو بڑا آسان ہے! چلئے، اگر میں اپنے عہدے سے آپ کے حق میں استعفاء دے دوں، تو بتائیے آپ مجھے کیا دیں گے؟

ناطان۔ اچھا تمھیں آمدنی کیا ہوتی ہے؟

درویش۔ مجھے؟ کچھ زیادہ نہیں ہے۔ مگر تم تو اس سے موٹے ہو جاؤ گے، کیونکہ جب اُس کا صندوق خالی ہو جائے ـــــ اور ایسا اکثر ہوتا ہے ـــــ تو تم مزے میں اپنی تھیلوں کا منہ کھول دو گے۔ خوب دھڑا دھڑ قرض دو گے، اور سود در سود میں جتنا چاہو گے پیٹ بھر کے وصول کر لو گے۔

ناطان۔ سود در سود کے نفع پر بھی سود، ایں؟

درویش۔ ہاں، اور کیا؟

ناطان۔ اور اس طرح ہوتے ہوتے میری ساری پونجی سود در سود کا ایک زبردست انبار ہو جائے گی۔

درویش۔ للچاتے تو ضرور ہو گے؟ اور جو نہیں للچاتے، تو اسی وقت دوستی کے ختم ہو جانے کی دستاویز لکھ دو۔ ناطان مجھے تم پر بڑا بھروسہ تھا!

ناطان۔ یہ کیا؟ درویش! تمھارا مطلب کیا ہے؟

درویش۔ مطلب یہ ہے کہ میں سمجھے بیٹھا تھا کہ تم مجھے اپنے روپے کے صندوق تک ضرور پہنچے دو گے اور اس طرح عزت آبرو کے ساتھ مجھے اپنے عہدے پر بحال رہنا نصیب ہو جائیگا ـــــ مگر تم سر ہلاتے ہو۔

ناطان۔ دیکھو، اب کوئی غلط فہمی نہ رہنی چاہیئے! اور اس بات کو خوب سمجھ لینا چاہیئے

—— کہ ناطان کے پاس جو کچھ ہے درویش حانی اسے ہر وقت استعمال کرسکتا ہو۔ ——

مگر ہاں حانی، وہ صلاح الدین کا دفتری جو —— جو ——

درویش - ہاں ہاں یہ تو خوب سمجھتا اور جانتا ہوں کہ تم جتنے عقلمند ہو اتنے ہی نیک بھی ہو۔ تم نے جو دو توام حافیوں میں اس طرح فرق کیا، تو یاد رکھو کہ اب پھر ہم بہت جلدی الگ ہو جائنگے، دیکھو میرے عہدے کی یہ وردی مجھے صلاح الدین نے دی ہے۔ یاد رکھو کہ ابھی اس کا رنگ بھی اترنے نہ پائے گا اور یہ پھٹنے نہ پائے گا —— اور ایک درویش کا لباس ایسا ہی ہونا بھی چاہئے —— کہ یہ یروشلم میں کسی کھونٹی پر ٹنگی ہوگی اور میں ننگے پاؤں آدھے تہائی کپڑے پہنے اپنے گرؤوں کے ساتھ یہاں سے دور ہندوستان میں گنگا کی جلتی بلتی ریت میں پھرتا نظر آؤں گا۔ سمجھے ؟

ناطان - ہاں تم سے ایسی امید تو ضرور ہے !

درویش - بلکہ ان کے ساتھ شطرنج بھی کھیلونگا -

ناطان - اس سے زیادہ تمھیں اور کیا خوشی ہوگی !

درویش - اچھا اب یہ سوچو کہ اس عہدے کو قبول کرنے میں مجھے لالچ کیا تھا۔ تم سمجھتے ہوگے کہ میں نے دولت کے واسطے ایسا کیا، کہ پھر مجھے کسی سے بھیک نہ مانگنی پڑے اور دوسرے فقیروں میں امیر بن کے رہنے لگوں، کیوں ؟ کیا اس طرح کوئی بڑا امیر سا فقیر بھی اک دم سے بالکل غریب سا امیر بن سکتا ہے ؟

ناطان - میں تو سمجھتا ہوں یہ بات نہیں ہے۔

درویش - ہاں، بات کچھ اور ہے۔ بلکہ یوں کہو کہ اس سے زیادہ نامعقول سی بات ہے کہ میری کبھی کسی نے خوشامد تو کی نہیں، —— تو ہوا یہ کہ میں صلاح الدین کی مہربانی سے بھول گیا -

ناطان - وہ کیا ؟

درویش - سنو، صلاح الدین نے کہا کہ ایک فقیر ہی اچھی طرح بتا سکتا ہے کہ فقیر بیچارے کس مصیبت میں مبتلا رہتے ہیں اور انہیں یہ بھی تجربہ ہوتا ہے کہ فقیروں پر کسطرح

جی کھول کر بخشش کرنی چاہئے۔ مجھ سے پہلے جو شخص ان کے ہاں خزانچی تھا، وہ بڑا ہی روکھا پھیکا خشک اور سخت سا آدمی تھا! اور دیتا بھی تھا تو بہت ہی بدتمیزی سے۔ ہر شخص کے حال کو کھود کھود کے پوچھتا تھا۔ کبھی ظالم کی تسلی ہوتی ہی نہ تھی۔ اور جب اچھی طرح حال معلوم کر لیتا تو سنبھل سنبھل کے ہاتھ روک روک کے دیتا تھا۔ تو ــــ صلاح الدین نے کہا کہ "حافی ایسا نہیں کر سکتا"، اور اس کی وجہ سے صلاح الدین ایسا سخت دل اور کنجوس بھی نہیں معلوم ہوگا۔ وہ کچھ پانی کا نل تھوڑا ہی ہے کہ اندر صاف صاف پانی جاتا ہے مگر نکلتا ہے تو گندا ہو کے اور رُک رُک کے حافی میری ہی طرح سوچتا ہے، اور میری ہی سی حس بھی اس میں ہے؟ ــــ تو سمجھے' اس طرح چڑیمار نے بانسری بجاتے بجاتے آخر چڑیا کو پھانس ہی لیا۔ ــــ میں بھی خاصا خبطی ہی ہوں۔ اُنھ، پاگلوں کا پاگل بنا بنایا۔

ناطان۔ ٹھہرو، ذرا سنو۔

درویش۔ اور کیا جی! لے اب یہ پرلے درجے کی حماقت نہیں تو اور کیا ہے کہ آدمی ہزاروں پہ ظلم توڑے، انسان کو تباہ کر کے رکھ دے، لوٹ کھائے، اُن کا ستیا ناس کر دے ناحق انھیں ستائے یہ سب بھی کرتا رہے، اور پھر مزہ یہ کہ جس سے پوچھو وہ یہی کہے کہ نہیں صاحب یہ تو بیچارا بڑا ہی ہمدرد آدمی ہے! تم ہی کہو کہ یہ سخت بے دینی اور گدھاپن ہے یا نہیں کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کا خواہ مخواہ بھی مُنہ چڑایا کرے! او اللہ کی مہربانی کا کیا پوچھنا ہے۔ وہ تو اچھے بُرے سب ہی کے واسطے یکساں ہیں: دھوپ بن کے پڑے، چاہے پانی ہو کے برسے، کھیت، میدان، جنگل، اُس کے واسطے سب ایکساں۔ ــــ اور پھر بھی اللہ میاں کا سا غنی ہاتھ نہ رکھے!! اب یہ حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟

ناطان۔ اچھا بس اب رہنے دو، ہٹو!

درویش۔ نہیں، ذرا مجھے اپنی بیوقوفی بھی تو بتا لینے دو۔ یہ پاگل پن نہیں تو اور کیا ہے کہ میں ایسی حماقتوں میں خوبیاں ڈھونڈھتا پھروں اور وہ صرف اس واسطے کہ ان اچھی اچھی حماقتوں میں اپنے آپ بھی شریک ہو جاؤں۔ ــــ آہ! اب اس کا کیا جواب ہے؟

ناطان۔ حافی، دیکھو میں بتادوں۔ تم سے جتنی جلدی ہو سکے، اپنے صحرا کا راستہ لو۔ مجھے ڈر ہے کہ تم انسانوں میں رہتے رہتے کہیں انسان بن کے رہنا بھی نہ بھول جاؤ۔

درویش۔ ہاں بھئی، تم ٹھیک کہتے ہو۔ مجھے بھی یہی ڈر تھا۔ اچھا رخصت!

ناطان۔ بھلا اب ایسی بھی کیا جلدی ہے؟ حافی! ٹھیرو تو سہی۔ صحرا بھاگا جا تا ہے کیا؟! (اپنے آپ سے) وہ سن بھی رہا ہے کہ نہیں —— ارے میاں ہوت!! —— وہ تو چلا گیا۔ اُفوہ، کیا چوک ہوئی ہے۔ میں نے اس سے اپنے اس ٹیمپلر کا حال بھی نہ پوچھا۔ اسے ضرور اس کا حال معلوم ہوگا۔

چوتھا سین

دایہ جلد ناطان کے پاس آتی ہے

دایہ۔ ناطان! ناطان!

ناطان۔ ہاں کیا ہے؟ کیا چاہتی ہو؟

دایہ۔ اے وہ پھر دکھائی دیا ہے۔ وہ پھر وہاں آیا ہے!

ناطان۔ کون، دایہ؟ کون؟

دایہ۔ وہ! وہ!

ناطان۔ وہ —— وہ —— وہ تو بہت سے مارے پھرتے ہیں۔ آخر کچھ معلوم بھی ہو کون؟ مگر ہاں، میں سمجھا: تمہارا "وہ" تو ایک ہی ہے۔ —— یہ نہیں ہو سکتا۔ چاہے وہ فرشتہ ہی ہو، ایسا نہیں ہو سکتا۔

دایہ۔ وہ پھر کھجوروں کے نیچے آ آکے ٹہلا کرتا ہے، اور کبھی کبھی کھجوریں توڑتا بھی ہے۔

ناطان۔ اور کھاتا بھی ہے؟ —— پھر وہ ٹیمپلر نہیں اور کیا ہے؟

دایہ۔ تم مجھے ناحق کیوں کلساتے ہو۔ لڑکی کی للچائی ہوئی آنکھ نے اُسے ان پیچ دار کھجوروں میں لمحہ بھر میں بھانپ لیا ہے، اور جہاں وہ جاتا ہے اسی کو تکتی رہتی ہے۔ ارے وہ تم سے بڑی خوشامد سے قسمیں دلا کے کہتی ہے کہ ذرا تم ایک ہی دفعہ اس کے پاس چلے جاؤ

ذرا جلدی کرو۔ وہ کٹھرے میں سے تمھیں اشارے سے بتا دے گی کہ وہ اب بھی
وہیں پھر رہا ہے یا اُدھر کھیتوں کی طرف نکل گیا ہے۔ ناطان جلدی کرو، ذرا جلدی!

ناطان۔ بس اسی وقت اونٹ سے اترتے ہی چلا جاوں؟ یہ بھی کوئی ڈھنگ ہے بھلا؟
تم خود ہی کیوں نہ چلی جاؤ؟ اور اس سے کہدو کہ واپس آگیا ہوں۔ یقین جانو وہ گبھرو
جوان میرے گھر سے اس واسطے بچا بچا پھرتا ہے کہ میں گھر کا مالک یہاں نہیں تھا
اور اب کہ ریشع کا باپ اسے اس طرح بلا رہا ہے، وہ خوشی خوشی آجائے گا۔——
جاؤ، جاکے اس سے کہدو کہ میں بُلا رہا ہوں، اور دل سے چاہتا ہوں کہ وہ آجائے۔

دایہ۔ اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ وہ تمھارے پاس کبھی جو آجائے۔—— صاف ہی
کیوں نہ کہوں کہ وہ کسی یہودی کے ہاں نہیں جاتا: بس؟

ناطان۔ پھر بھی تم جاؤ تو سہی۔ اور کچھ نہیں تو اسے ذرا وہاں ٹھرا ہی لو۔ اور جو یہ بھی نہیں
تو کم از کم اُسے اپنی نگاہ ہی میں رکھو۔—— جاؤ میں بھی تمھارے پیچھے ہی پیچھے
آتا ہوں۔

{ناطان مکان میں جاتا ہے اور دایہ باہر

(باقی)

محمد نعیم الرحمن ام اے

غزل

قرب تیرا جب سے اے آرام جاں حاصل نہیں　　　بس یہ حالت ہے مرے قابو میں میرا دل نہیں
یہ تری قسمت کہ ہو مقبول اے جذب نیاز　　　ورنہ میں تو التفات دوست کے قابل نہیں
اتہام ناشکیبائی کا کہیئے کیا جواب　　　ورنہ مرجانا تو الفت میں کوئی مشکل نہیں

کوثری ہیں اور تو سب بہرہ اندوز جمال
اک ہمیں قسمت سے اس انعام کے قابل نہیں

کوثر چاندپوری

سقراط اور اس کا فلسفہ

(بہ سلسلۂ اشاعت گزشتہ)

سقراط فی الحقیقت پہلا آدمی تھا جس نے علم اخلاق منطق سیاست کے امکان کا تصور کیا اور اسی میں اس کی فلسفیانہ عظمت پوشیدہ ہے نہ کہ کسی مستقل نصاب فلسفہ کی تخلیق میں، اگر ارسطو معلم اول کہلانے کا مستحق ہے تو سقراط داناؤں کا باپ یعنی اُن کے وجود کا باعث کہے جانے کا سزاوار ہے۔ اُس کا مسئلہ وضعِ تعریفاتِ علم معقول کے راستہ میں پہلا ضروری قدم تھا لیکن اس مقام پر بھی سقراط اور اُس کے فلسفہ کا نقاد حرف گیری پر مائل نظر آتا ہے۔ کولرج اپنے مخصوص انداز میں اُس شخص کا ذکر کرتا ہے جو سڑک کے ہر چکر پر تم سے ایک تعریف کا مطالبہ کریگا اور یہ ایسا ہی ہے جیسے حقیقت کے راستہ پر دوامی محصول کی چوکی بٹھا دینا۔ لیکن یاد رہے کہ سقراط کی جرح و قدح میں ان لوگوں سے خطاب کیا جاتا تھا جو تعریف کے معنی و منشا ہی سے ناواقف تھے سقراط کا مسئلہ تعریف خیال انسانی کے مدارج ارتقائی میں ایک ضروری درجہ تھا اور پھر ہمارے لئے بھی یہ بڑی سے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ ہم کو خود اپنے نفس کے احتساب کی طرف اعتنا کرنے پر مجبور کرتا ہے اور ہم کو ہمارے روزمرہ کے الفاظ و اصطلاحات کے صحیح معنی معین کرنے پر متوجہ کرتا ہے۔

ہم کسی گزشتہ اشاعت میں بیان کر چکے ہیں کہ سقراط نے اُس صحبت آخریں کے دوران میں جو اُس نے اپنے دوستوں کے ساتھ بسر کی اپنے تمام فلسفیانہ معتقدات اور عمر بھر کی تعلیمات کا اعادہ کیا ہے۔ اس صحبت میں سقراط نے ایک طویل مسلسل تقریر کی ہے جو اُس کے تمام فلسفہ کو حاوی ہے، تفصیلی بحث کی گنجائش نہ دیکھتے ہوے ہم اس پر بھی ایک اجمالی نظر ڈالتے ہیں۔

موت — موت کیا چیز ہے اور اس کا فعل کیا ہے؟ جاننا چاہئے کہ حالت موت دو باتوں سے خالی نہیں ہوسکتی۔ یا تو مردہ انسان کا وجود قطعی محو ہوجاتا ہے اور اس سے ہر قسم کا احساس زائل

ہو جاتا ہے یا عقیدہ عامہ کے مطابق موت کا فعل روح کو کسی دوسری جگہ تبدیل کر دینے کا ہی - اگر موت کا منشا یہ ہے کہ حواس زائل ہو جائیں اور مردے پر ایسی سُبات گراں طاری ہو جائے جسمیں خواب وخیال کو بھی دخل نہو تو یہ ایک عجیب وغریب منافع ہے - اگر کسی شخص کو زندگی میں ایک رات اس طرح کی نیند میسر ہو جائے تو وہ یقیناً اُس ایک رات کو اپنی عمر کی تمام راتوں پر ترجیح دینے کے لئے تیار ہوگا - اگر موت کی غایت وحقیقت یہی ہے تو بلاشبہ اس میں نفع ہے کیونکہ اس صورت میں حیات بعد الموت ایک رات سے زیادہ طویل نہوگی اور اگر موت کے معنی ہیں انتقال اس عالم سے اُس عالم میں جہاں سب ترابہ نوشانِ فنا منزل گزیں ہیں تو اس سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہو سکتی ہے - اگر یہ صحیح ہے تو میں ہزار بار مرنے کو مستعد ہوں - میں مطمئن ہوں کہ مردے بھی ایک طرح کی ہستی رکھتے ہیں اور وہ ہستی بندوں کے لئے بدرجہا خوشگوار ہے "

یہاں تک سقراط کے الفاظ اور خیالات میں تذبذب خفیف ہی اور یقین غالب ہی - لیکن اسی تقریر کے آخری فقرات میں اسکے شبہات پھر عود کرتے ہیں اور وہ جیوری کے ممبروں کو جنہوں نے اس کے واسطے موت کا حکم صادر کیا ہے مخاطب کر کے کہتا ہے :-

"لیکن اب وقت آپہونچا ہے اور ہمیں یہاں سے چل دینا چاہئے مجھ کو مرنے کیلئے اور آپ کو زندہ رہنے کے لئے زندگی بہتر ہے یا موت یہ خدا اور صرف خدا ہی جانتا ہے "

موت ایک برکت ہی

اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ایک حقیقی فلاسفر موت کے آنے پر کیوں خوش ہوتا ہے اور اُس کے پاس اس یقین کو واثق کرنے کی کیا وجوہات ہیں کہ حیات بعد الممات بہترین مسرتوں سے مملو ثابت ہوگی - شاید اہل دنیا نہیں جانتے کہ حقیقی فلاسفر عمر بھر موت اور مرنے کا مطالعہ کرتا رہتا ہے اور اس لئے موت کا استقبال پریشانی سے نہیں جمعیت خاطر سے کرتا ہی وہ خواہشات نفس یعنی غذاے لذیذ لباس فاخرہ اور تزئین ظاہری پر کبھی نہیں جاتا وہ ان باتوں کی طرف بقدر ضرورت متوجہ ہوتا ہے مختصر یہ کہ اس کا مطالعہ جسم سے نہیں بلکہ روح سے تعلق رکھتا ہی لوگ کہا کرتے ہیں کہ جو شخص عیش جسمانی سے بہرہ یاب نہ ہو وہ زندگی میں مردہ کے برابر ہی - حقیقی فلاسفر اس ناپاک خیال کی تردید کرتا ہے اور علی الرغم عوام الناس اسکی صرف یہ کوشش ہوتی ہے

کہ حتی الامکان روح کو جسم کی مواصلت سے آزاد کردے۔ اب سوچنا چاہیئے کہ شعورِ حقیقی کی تحصیل کونسے ذرائع سے ممکن ہوسکتی ہے اور اس جستجو میں اگر جسم کو شریک حال رکھا جائے تو کوئی رکاوٹ واقع ہوگی یا نہیں۔ کیا بصارت و سامعہ سے ہمیں احقاقِ حق میں کوئی امداد ملتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ شعراء نے ہمیشہ یہ فریاد کی ہے کہ نہ انہیں کوئی شے صاف نظر آتی ہے نہ صاف سنائی دیتی ہے۔ پس جب جسم کی دو قوتیں صحیح اور صاف نہیں ہیں تو دیگر قویٰ جو ان دونوں کی نسبت کم مکمل ہیں کس طرح صاف ہو سکتے ہیں۔ روح جب جسم کی معیت میں کسی چیز کی تحقیق شروع کرتی ہے تو جسم اُسکو گمراہ کردیتا ہے لیکن جب وہ کسی مسئلہ کو اپنے جوہر خالص کی مدد سے حل کرتی ہے تو وہ اُس عالم میں پہونچ جاتی ہے جو پاک ہے، دائمی ہے، غیر فانی ہے، غیر منقلب ہے۔ اب وہ ہر قسم کی پریشانیوں اور آوارگیوں سے آزاد ہوکر دغدغۂ انقلاب سے محفوظ ہو جاتی ہے کیونکہ اُس کا واسطہ غیر منقلب سے ہوجاتا ہے اور میری رائے میں یہی مقام دانش ہے۔ شعورِ حقیقی کا پرتو روح پر اُسی وقت پڑتا ہے جب کہ وہ عقل کی اعانت بہم پہونچائے۔ روح کی قوتِ ادراک و استدلال اس وقت نہایت تیز ہو جاتی ہے جب وہ اندوہ و نشاط اور تمام جسمانی قوتوں کے اثر سے سبکدوش ہو جائے کیونکہ تعلق جسمانی اسکو عقل و حقیقت سے دور رکھتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جسم کے مطالبات اتنے کثیر ہیں کہ ہماری توجہ ہمیشہ انہی کی طرف منعطف رہتی ہے علاوہ ازیں جب جسم پر امراض و عوارض حملہ آور ہوتے ہیں تو اُس کے تفکرات ہمارے اور ذات لم یزل کے ربط باہمی میں مزاحمت پیدا کرتے ہیں اسکی مصاحبت ہم کو خوف و ہراس۔ جذبات و خواہشات اور گوناگوں حماقتوں سے بھردیتی ہے اور اس طرح ہم کو کبھی فرصت نہیں ہوتی کہ اپنے فرض اولین کی طرف متوجہ ہوں۔ یہ جسم اور جسم کی خواہشات ہی کا باعث ہے کہ تفریق و تنازعات منصۂ شہود پر آتے ہیں کیونکہ تمام تنازعات کی جڑ دولت کی خواہش ہے جسکے لئے ہم مجبور ہیں کیونکہ ہم خواہشات جسمانی کے غلام بن کر رہتے ہیں پس تلاش حقیقت کی ابتدا اس طرح ہوگی کہ روح اپنے آپ کو جسم سے بحد امکان آزاد کرکے اپنے جوہر کو محفوظ کرلے۔ اور ہستی اشیاء کا مشاہدہ اپنے ہی آئینہ سے کرے۔ اُسکو چاہیئے کہ وجود مطلق و مطہر کی جویا بن جائے اور اس محفل خیال میں عقل کے سوا کسی غیر جنس کو دخل نہ دے۔ مجھے یقین ہے کہ مرنے کے بعد ہم وہ شعورِ حقیقی ضرور حاصل کریں گے جس کی

ہمیں تمنا ہے اور جسکے لئے ہم میں جذبہ موجود ہے مگر زندگی میں وہ بارآور نہیں ہوسکتا۔ ہم اس طرح جی کر گویا اُس جذبہ کو پرورش کرتے ہیں اور تیار ہوتے ہیں اس علم مصفا کی تحصیل کے لئے جس کا مطلع انوار موت ہے اور جو روح کے جسم سے پوری طرح آزاد ہونے کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا ؎

دل کو مجروح کیا جان کے کھٹکے نے انیسؔ
پھول ہو جائیں یہ کانٹا جو نکل جائے ابھی

زندگی میں خواہشات نفسانی کو بحد امکان ترک کر دینے سے مدعا یہ ہے کہ ہم مملکت علم کی سرحد پر پہونچ جائیں۔ ہمیں جسم سے پاک رہنا چاہئے یہاں تک کہ حق تعالیٰ ہمکو آزاد کر دے اور جب ہم پاک رہ کر ان پراگندگیوں سے نجات پائیں گے تو ہم کو ان ہستیوں کا قرب نصیب ہوگا جو ہماری طرح پاک ہیں۔ اس طرح ہم تمام پاک کائنات سے آگاہ ہو جائیں گے اور میرے نزدیک یہی مقام حقیقت ہے۔ میں آج سفر آخرت کے خیال سے خوش ہوتا ہوں کیونکہ میں محسوس کرتا ہوں کہ میرا ضمیر پاک ہے۔ جب موت کا منشا یہ ہے کہ روح و جسم میں مفارقت واقع ہو جائے اور ہم اس نتیجہ پر پہونچ چکے ہیں کہ ایک حقیقی فلاسفر کی سعی مسلسل اسی مقصد کے لئے ہوتی ہے کہ روح کو جسم اور اُس کی خواہشات سے آزاد کر دے تو پھر کیا وہ موت کے آنے پر مغموم ہوسکتا ہے خصوصاً اس لئے کہ اس نے کہ اُس نے اپنی زندگی ایسی حالت میں بسر کی جو موت کی حالت سے بہت کچھ مطابق تھی۔ وہ ہر حال میں جسم کا دشمن تھا اور روح پر قابض ہونا چاہتا تھا۔ پھر جب کہ وہ اپنے دشمن کی صحبت سے آزاد ہو رہا ہے کیا اُس کے لئے کوئی وجہ اندوہ قرار دی جا سکتی ہے کچھ عاشقان وفا پرست جو کسی محبوب دل نواز کا داغ مرگ اُٹھا چکے تھے اس امید پر خوش خوش مر گئے ہیں کہ اپنے گم گشتہ مطلوب کو ملاء اعلیٰ میں دیکھیں گے۔ کیونکہ وہ انسان جو اپنے سینہ میں شعور حقیقی کے لئے ایک جذبہ صادق لئے جاتا ہے اور جسکو یقین ہوتا ہے کہ یہ نعمت عظمیٰ صرف وہیں دستیاب ہوگی ورود اجل پر افسردہ ہوسکتا ہے۔ حقیقی فلاسفر ساعت نزع کو کعبہ مراد اور چشمۂ نشاط سمجھتا ہے۔ پس اگر تم نے کسی شخص کو مرتے ہوئے مغموم دیکھا ہے تو سمجھ لو کہ وہ منزل دانش کا مسافر نہ تھا بلکہ بندۂ نفس تھا اور خواہشات نفس کا غلام۔ دنیا ابھی اس سے پاک نہیں ہوئی کیونکہ اسکی روح اسی عالم سفلی کی آلائشوں اور کدورتوں میں آوارہ ہے۔

خودکشی | بعض کوتہ اندیشوں کے نزدیک خودکشی اور خواہش موت کے درمیاں خفیف سا فرق باقی رہجاتا ہے اس لئے اس ضمن میں خودکشی پر ایک اجمالی تبصرہ خلاف محل نہ ہوگا۔ واضح ہو کہ خودکشی کسی نقطۂ نظر سے مستحسن یا جائز قرار نہیں دی جاسکتی۔ اہل بینش نے خودکشی کو اخلاقی کمزوری اور بزدلی سے تعبیر کر کے ممنوع و معیوب قرار دیا ہے۔ میں اس کا عدم جواز ثابت کرنے کے لئے صرف ایک دلیل پیش کرونگا۔ خدائے قیوم کائنات کا مالک ہے اور اسلئے ہمارے اجسام و ارواح کا بھی وہی مختار ہے۔ اب غور کرو کہ کوئی تمہاری مملوکہ سے تمہارے ایما کے بغیر اپنی ذات کو فنا کر دے تو کیا تم اس سے ناراض نہ ہو گے؟ اور بشرط مقدرت کیا اسکے سزا دینے پر آمادہ نہ ہو گے؟ یہی کیفیت مرابطہ باہمی پر منطبق ہوتی ہے۔ لہذا انسان کے لئے خودکشی قطعاً ناجائز اور قضائے الہی کے جاری ہونے تک قطع حیات کی کوشش گناہ عظیم کی مرادف ہے ٭

سید سرفراز حسین بی۔اے

(باقی)

اقوال سقراط

خدا نے آدمی کو ایک زبان اور دو کان دیے ہیں تاکہ وہ سنے زیادہ اور بولے کم۔

اگر میرے اس کہنے سے کہ "میں نہیں جانتا" لوگ یہ نہ سمجھتے کہ "میں جانتا ہوں" تو میں یہی کہتا کہ "نہیں جانتا"۔

نیند ایک مختصر موت ہے اور موت نوم طویل۔

اگر تمہارا راز تمہارے سینہ میں نہیں سما سکتا، تو دوسرے کے سینہ میں کیسے سمائے گا۔

ایک بد اخلاق لیکن شریف شخص نے اس سے پوچھا:۔ اے سقراط تم کو اپنی رذیل قوم سے نفرت نہیں ہے"۔ سقراط نے جواب دیا "تمہاری قوم کا تم پر خاتمہ ہوگیا، اور میری قوم کی ابتداء مجھ سے ہوئی ہے"

ایک بار کسی آدمی نے اس سے کہا کہ "شہر والوں سے آج جو گفتگو تم نے کی ہے وہ ہرگز پسند نہ کی جائیگی" اس نے کہا کہ "مجھے اس سے رنج نہیں ہوتا کہ میری بات نہیں مانی گئی بلکہ تکلیف اس سے ہوتی ہے کہ میری بات صحیح نہ ہو"

نکوہش محبت

(بسلسلۂ گزشتہ)

ایک برقی بٹن دبانے کے چند منٹ بعد خادمہ نے چاء کی میز سجادی۔

اس نے کہا "آپ کے دوست نے آج مجھ سے آپ کے ذوق شعری کی نہایت تعریف کی ہے۔ کیا آپ اپنے کچھ اشعار نہ سنائیے گا؟"

"ان کی یہ تعریف میری رسوائی ہے۔ میں ضرور سناتا، مگر یقین کیجئے اس وقت مجھے کچھ یاد نہیں آتا" میں نے جواب دیا۔

"انھوں نے مجھے کچھ اور بھی بتایا ہے"۔ اپنی آنکھوں کے سیاہ تبسم کے ساتھ کہنے لگی۔

"اور کیا کہا" میں نے متعجب ہوکر دریافت کیا۔

"تمھاری عجیب وغریب محبت کا قصہ"! اُسنے کہا۔ میں ذرا خجل سا ہوگیا۔

"کیا واقعی تمھیں اپنی بیوی سے محبت ہے؟" اسنے سوال کیا۔

"جی ہاں" میں اسے کچھ جواب نہ دیسکا۔

"کیا وہ بہت زیادہ خوبصورت ہے؟ میں بھی کیسے کیسے سوال کررہی ہوں" اس نے کہا

"جی ہاں" میں نے کہا، مگر ایسے لہجے میں جو ایک مرد کا ہونا چاہیئے۔

"ہاں، مجھے تمام حکایت سُنائیے میں نہایت دلچسپی سے سنونگی۔ وفا دنیا میں حیرت انگیز شئے ہے" یہ کہکر اُسنے ایک طویل سانس لیا اور نگاہیں جھکالیں۔

"آئیے میری کتابوں کی سیر کیجئے . . . ." ہم چاء سے فارغ ہو چکے تھے وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور میرا ہاتھ پکڑکر الماریوں کی طرف لے چلی، ایک الماری سے ایک کتاب نکالی اور اسکی بہت تعریف کی، ایک مقام نکال کر مجھے پڑھنے کو کہا میں کرسی پر بیٹھ گیا اور وہ میرے شانہ پر سہارا دیکر جھک گئی۔ تصور دقیانس صرف تصویر پیش کرسکتا ہے۔

وہ کیفیت نہیں دکھا سکتا، جو اُس وقت میری حالت میں تھی اُس کا تنفس میری کنپٹی کے راستے بجلی کی رو دوڑا رہا تھا۔

ایک اعجاز حسن اور اس درجہ ذہین! دنیا کی ہر دولت کی ملکہ: دولت جمال، دولت شباب، دولت علم، اور پھر فراوانی تنعیم! یعنی عیش ذہنی اور عشرت جسمانی کی تکمیل، اور اس صورت میں! میں اس سحر کیفیات و سحوری حسیات میں غرق تھا کہ میرے دماغ میں ایک خیال چمک گئی اور میری بیوی کی تقریر میرے سامنے آگئی، وہ جوان تمام باتوں سے آگاہ نہ تھی اور جسکی ہر آگاہی کا ذریعہ تنہا میں تھا! اس طرح کہ گویا وہ میرے مخفی حسیات کو پڑھ رہی تھی، کلیو پیٹرا نے سوال کیا۔

"تمھاری وفاشعاری بہت دلکش ہے! تمھیں زیادہ دلکش بنا رہی ہے آؤ، وہاں بیٹھ کر مجھے اپنے شعر سناؤ"۔ اور ایک صوفے پر بیٹھ کر مجھے بھی اپنے برابر بٹھا لیا میں نے جواب دیا "لیکن مجھے کچھ یاد نہیں آتا"۔

وہ بولی:۔"جانے دو .... شعر سننے کے بجائے میں تمھیں دیکھوں گی۔ یاد ہے میں نے نمائش میں کیا کہا تھا؟"

وہ پھر تھوڑی دیر کے بعد بولی "جو کچھ میں نے کہا آج اور زیادہ صحیح ہے! تم کبھی اتنی حسین نظم نہیں لکھ سکتے جتنے کہ تم خود حسین ہو" یہ کہکر اسنے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا، باہیں گلے میں ڈالدیں اور اپنی آنکھوں کے حیرتکدہ کو میری نگاہوں سے قریب تر کر دیا اور چپکے سے کہا:۔

"مجھے تم سے محبت ہے!" اور اسی لمحہ میں اُس کا غنچہ ساں دہن میرے ہونٹوں سے متصل ہوگیا، اور پھر کائنات کا وجود تصویر خیال ہو کر محو ہونے لگا! آہ مگر اسی حالت میں میں نے ایک لڑکی کے بازوؤں کو اپنی طرف کشادہ ہونے بھی دیکھا! میں نے کلیو پیٹرا کی خوفناک انگیخی و نرمی سے اپنے ہونٹوں کو ہٹا لیا، اور بہ آہستگی اس سے جدا ہو گیا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ نہ صرف میری محبت بلکہ میری روح کا ابدی مستقبل بھی میرے اس لمحہ کی مزاحمت پر منحصر ہے میرے جدا ہوتے ہی ایک دبی ہوئی چیخ اُس کے مونھ سے نکلی، اور وہ تکیوں میں منھ چھپا کر رونے لگی۔

"ہاں میں خراب ہوں! اسے بھول جاؤ! مجھے معاف کردو! تم جاؤ اور پھر مجھ سے کبھی نہ ملنا، اُسکی مرغولہ ہائے مشکیں آشفتہ ہو گئے تھے، جوڑا کھل گیا تھا، اور کلیوپیٹرا کی سیاہ زلفیں ناگنوں کی طرح لہرا رہی تھیں۔میں نے بھی اپنا مُنہ اسکے مُنہ کے برابر رکھدیا آہ، میں نے اُس سے کہا کہ مغموم نہو، غیر آسودہ نہ ہو اور میری نگاہیں غیر شعوری طور پر وہاں پڑیں جہاں فیروزہ کا دانہ اُس کے سینہ کے سر چکرا دینے والے نشیب پر پڑا ہوا تھرتھرا رہا تھا۔

اس نے مکرر کہا:۔"اُف، میں خراب ہوں"!

میں نے یقین آفریں لہجہ میں کہا "نہیں نہیں، یہ غلط ہے"

وہ بولی:۔"ہاں اب میں ایسی نہ رہوں گی۔میں تمہاری دوست بن کر رہوں گی۔ تم مجھے اپنا دوست بناؤ گے؟ مجھے اپنا دوست بننے دو، میں تمہیں وفادار بننے دونگی"۔

"میں جب اس کاشانۂ عشرت سے باہر نکلا تو میں نے خیال کیا: کتنی نیک ہے، اور کتنی حسین! میں خود بھی اپنے تئیں قوی اور فتحمند خیال کرنے لگا، کیونکہ میں اپنے ستارۂ بخت کے امتحان میں پورا اترا تھا۔لیکن پھر تمام رات، اور تمام دن، تاوقتیکہ میں نے دوبارہ اسکے دروازہ کی گھنٹی نہ دبائی، اس فیروزہ کا بلورستان سینہ کو اپنا معدن بنا لینا میرے اندر رشک آمیز حسیات پیدا کرتا رہا۔

"گھنٹی بجانے کے ساتھ ہی میں نے پھر اپنے ستارہ کی ضیا پاشی دیکھی گویا وہ مجھے تنبیہ کر رہا تھا، مگر کل کی مدافعت و ظفرمندی کے بعد آج کے لئے کیا خطرہ رہگیا تھا؟ آج میں اپنے بعض نظموں کے مسودہ ساتھ لایا تھا میرے خیال میں یہ مبحث ہمیں منہمک رکھنے کو کافی تھا میرے مجموعہ نظم میں ایک اضافہ گزشتہ شب ہوا تھا، میں نے عہد کیا تھا کہ یہ نظم اُسے نہ سناؤں گا لیکن سب سے پہلے جو کام میں نے کیا وہ یہ تھا کہ میں اسکے برابر بیٹھا ہوا وہی نظم اُسے سُنا رہا تھا۔

آج اُس کا لباس وہی تھا جو پرسوں نمائش میں تھا۔اُسے تیسری بار دیکھنا یہ معنی رکھتا تھا کہ وہ تین حصہ زیادہ حسین نظر آئی!،

"یہ عجیب وغریب نظم تم نے میرے لئے لکھی ہے؟ آہ، تم مجھے ایک ملکہ کی طرح ماہ چونی

کر رہے ہو! یہ نظم مجھے غیر فانی بنا دیگی! ...... سچ بتاؤ رات تم نے اسے خط لکھا؟"

"یقیناً میں نے خط لکھا!" میں نے اُس سے کہا۔ حقیقتاً اس ظفر مندی کے بعد میں نے اپنی پیاری کو طویل ترین اور شیریں ترین خط لکھا تھا۔

"تم نہایت نیک ہو! رات کا عہد فراموش نہ ہو جانا چاہئے اپنی بیوی کو اپنی پاس کیوں نہیں بلاتے؟"

"عنقریب آنے والی ہیں" میں نے کہا۔

اس دفعہ اس نے اپنی باہیں میری گردن میں حمائل نہیں کیں، اور مجھے اپنی سیاہ آنکھوں کی تحریص ہلاکت سے محفوظ رکھا۔ لیکن اُس کے ایسا نہ کرنے سے میں نے ایک گونہ مایوسی کا احساس کیا! گویا میں غیر شعوری طور پر اس بات کا متوقع تھا۔ میرے اندر ایک گرسنگی پیدا ہوئی شاید اس وجہ سے کہ میں نے مزاحمت کا تہیہ کر لیا تھا۔

"کچھ دیر ہم دونوں برابر بیٹھے رہے، اور بالکل خاموش۔ لیکن دونوں کے دل و دماغ جذبات، محسوسات، اور خیال کے برق صفت تغیر کی اماجگاہ بنے ہوئے تھے ایک شدید جد وجہد سے مضمحل ہو کر اُس کا ہاتھ آہستہ آہستہ بڑھ کر میرے ہاتھ میں آگیا۔

"آؤ، کوئی کتاب لیکر پڑھیں۔ میں تمھاری معیت میں پڑھنا زیادہ پسند کرتی ہوں"

وہ صوفے پر سے کھڑی ہو گئی اور مجھے بھی الماری تک لے گئی، یہ الماری ایک دروازہ کے برابر تھی جو شیشہ کا بنا ہوا تھا اور دوسرے کمرہ کا سامان نظر آرہا تھا۔ اُس نے دروازہ بند کرتے ہوئے "یہ میرا خاص حجلہ ہے" متبسم ہو کر کہا؛ اور پھر فوراً ہی کھول دیا "میں دیکھتی ہوں کہ تم اُسے دیکھنا چاہتے ہو۔ آؤ اور جی بھر کے سیر کرو"، ہم اندر داخل ہو گئے۔ تمام آرائش، دولت وصنعت کے عیش آفرینیوں کی زبان گویا بنی ہوئی تھی۔

ذرا اٹھر کر ایک گہری سانس لی اور میرے سہارے سے لگ گئی۔ اُسکی کاکلیں میرے منہ پر منتشر ہو گئیں۔

"یہ سب بے فائدہ ہے!" اس نے کہا۔ اور جب میں نے اپنے آغوش کو اُس کے قلو لطر اُنگیت سے بھر لیا تو میرے بازوؤں کو محسوس ہوا کہ وہ ایک مرمریں شکل کا احاطہ کئے ہوئے ہیں

کیونکہ وہ سرد تھی ؛ مگر دوسرے ہی لمحہ میں اُس رخام کی برودت احتراق سے بدل گئی - کلیوپیٹرا اب وہ یونانی معبودہ معلوم ہوتی تھی جو سامنے ہی ایک گوشہ میں کھڑی تھی - میری روح نے ایک کرب آفریں چیخ کے ساتھ اسکی دعوتِ ہلاکت کو لبیک کہا ؛ افق خیال پر کشادہ بازو میری جانب ملتجیانہ دراز تھے ! اور پھر ؟ پھر میں اُس فیروزے کی نقطہ گرداب میں پھنس چکا تھا

چند ہی دن کے بعد یاسمین میری بیوی - بمبئی آگئی - اُس کا حُسن معصوم ہمیشہ سے زیادہ دلکش نظر آیا ، وہ ویسی ہی شاد و خرم تھی ، اور اُسکی پاکیزہ فطرتی اُسی طرح پرستش طلب اُسکی سادہ لباس آرائی غیر معمولی رعنائی پیدا کر رہی تھی ، اُس کے آجانے سے مجھے کچھ ایسا اطمینان ہوا جس میں کسیقدر اذیت بھی ملی ہوئی تھی ، تاہم میں اپنے آپ کو مسرور محسوس کر رہا تھا مجھے خوف تھا کہ کلیوپیٹرا سے ملنے کے بعد جب میں یاسمین سے ملونگا تو میری حالت کسی منجمد شے سے بہتر نہ ہوگی - لیکن صورت حال اُسکے برعکس نکلی - میں اُسے اپنے پہلو میں دیکھ کر یکسر شوق فنا ہو کر رہ گیا تھا - وہ جس وقت اپنے دل کی داستان خرمی کے منتشر ٹکڑے سنا رہی تھی ، معلوم ہوتا تھا کہ ایک قمری بول رہی ہے - میں سمجھ رہا تھا کہ میرا دل پارہ پارہ ہو جائے گا - اور بالآخر مجھ سے ضبط نہو سکا - میں نے اپنا سر اسکی گود میں ڈالدیا ، اور میرے آنسو بہنے لگے - اُس نے سمجھا کہ احساس تنہائی کی شدت اور وفور مسرت کے جذبات آنسو کی شکل اختیار کر رہے ہیں - یہ خیال ظاہر کر کے اُسنے میری دلداری کی ، اور محبت باہمی کے لازوال برکات سے خوش کرنا چاہا - میں نے بھی اپنے گریۂ بے اختیار کی حقیقی تحریک کو چھپایا اور اسے اسی خیال میں مبتلا رکھا کہ واقعی میرے آنسوؤں کی حقیقت وہی تھی جو وہ سمجھی تھی -"

یہاں پونچکر جمالی خاموش ہو گیا ، اور بڑی دیر تک خاموش رہا - اُسنے ایک سگریٹ جلایا ، اور روشنی جب اسکی آنکھوں پر پڑی تو میں نے دیکھا کہ اُس میں آنسو کپکپا رہے ہیں وہ بہت دیر تک سگریٹ کے دھوئیں کو اس طرح دیکھتا رہا جیسے کوئی کسی دلچسپ تصویر کے معائنہ میں محو ہو جائے - ایک رقیق آہ کے ساتھ اُسنے پھر کہنا شروع کیا :-

" میں اُسی مکان اور مکان کی ہر چیز دکھاتا پھرا ، اشیا کی فراہمی اور حکایات خریداری سناتا رہا - وہ میری ان واہی تباہی باتوں کو سن کر ہنستی اور خوش ہوتی رہی - آہ ،

کیسی حیرتناک مسرت تھی! وہ میری طرف مڑی اور مجھے دیکھ کر اپنے اشک مسرت سے لبریز آنکھوں کو میرے سینے سے لگا دیا۔ میں باوجود اپنے ملوث ہستی کے جو انگبیں سم آلود کی طرح تھی، یقین کرتا تھا کہ حقیقی مسرت ہمارا حصہ ہو چکی ہے اس رات میں برابر اسی تعجب میں رہا کہ چند دن کیلئے میرے اوپر کیسا جادو چل گیا تھا! حالانکہ میں اسی شام کو کلیو پیٹرا کے گیسوے پرخم کی تاریکیوں میں تحلیل ہو رہا تھا اور جب یاسمینی کے لینے کو اسٹیشن گیا تو کلیو پیٹرا ہی کے پہلو سے اُٹھ کر گیا تھا۔

دوسرے دن آپ ہی آپ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اُس سے آخری بار مل تو آنا چاہئے، اس وقت تک میں نے ایک دوسرے کو خدا حافظ بھی تو نہیں کہا، یہ بڑی بداخلاقی ہوگی۔ مجھے اب کچھ حرج بھی معلوم نہ ہوا، یقیناً میں نے اپنے اس خواہش کی اس طرح تاویل کی۔ سہ پہر کے وقت میں نے اپنی غیر حاضری کے لئے حیلہ تراشا اور کہا کہ اگر مجھے دیر ہو تو متفکر نہ ہو، کیونکہ ایک دوست کے یہاں دعوت ہے میں نے اسے یقین دلایا کہ اُس دن کے بعد میرے تمام اوقات صرف یاسمینی کے لئے ہونگے اور دنیا کے کسی شے کو اختیار و تصرف نہ ہوگا۔ مگر حیف! اسکی آخری نگاہ جو تمام راستے میرے ساتھ گئی، مجھے اُس غرقابی سے نہ بچا سکی، جہاں فیروزے کا دانہ اس وقت بھی متحرک تھا جب نصف رات گزر گئی، اس وقت میں نے کلیو پیٹرا کے گیسوے مشکیں کو اپنے گردن او بازو سے جدا کیا اور ایک مدید اور نا مقدس بوسے کے بعد میں وہاں سے رخصت ہو آیا۔

ساری فضا خاموش تھی، میں نہایت آہستگی کے ساتھ مکان میں داخل ہوا۔ کوٹ اُتار کر اپنے لہجے میں شوق کی تمام ترنرمیاں پیدا کر کے یاسمینی کو آواز دی مگر کوئی جواب نہ ملا میں سمجھا وہ انتظار کر کے سو گئی ہے، اور دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوا۔ آہ! وہاں پہونچکر میں نے دیکھا کہ یاسمینی میز کے سامنے فرش پر پڑی تھی۔ میں بے تاب ہو گیا۔ اُٹھایا تو فرش رنگیں نظر آیا! اسکی گردن کے قریب ایک بوتل ٹوٹی ہوئی پڑی تھی۔ ایک خط اُس کے ہاتھ میں تھا اور چند خط بکھرے ہوئے تھے، یہ خط کلیو پیٹرا کے تھے جو میرے نام آئے تھے اور میز کی ایک دراز میں پڑے تھے۔ میں نے اسے اُٹھایا، میں فیصلہ نہیں کر سکتا تھا کہ وہ زندہ تھی یا مردہ۔ اُس کا بدن

ہنوز گرم تھا، میں کچھ نہ کرسکتا تھا، بدحواس تھا، نوکروں کو آواز دی کوئی نہ آیا، پھر چیخا، چلایا، مگر کوئی نہ بولا۔ البتہ یاسمینی نے آنکھ کھولی۔ لیکن پھر وہ آنکھ کھلی ہی رہی۔ اُف! یاسمینی میری کسی الحاح و التجا کو سُننے کے لئے زندہ نہ تھی! ہاں، اُسنے وہ خط پڑھے اور اُس کا دل ٹوٹ گیا وہ یقیناً وہاں سے ہٹ بھی نہ سکی، بے ہوش ہوئی کسی طرح بوتل پر گری، جسکی نوک اُسکی شہ رگ کو قطع کر گئی میں اُس وقت خوف و رنج کا مجسمہ بن گیا تھا۔ میری آواز اسے پکارتی تھی۔ مگر اُس کا نام میرے منہ سے نہ نکلتا تھا، حالانکہ میں بار بار دیوانہ وار پکارتا تھا۔ میں اُسکی شکستہ دلی کا، اُسکی موت کا، باعث تھا! فطرت کو اُس سے محبت تھی، اُس کا حزن و ملال گوارا نہ ہوا میرا ننھا سا ستارہ مجھسے ہمیشہ کے لئے جدا ہوگیا۔ لیکن اُس ثانیہ میں جس وقت میرے ادراک نے اس کی موت کا احساس کیا مجھے معلوم ہوا کہ مجھے اُس کے ساتھ محبت تو اسی وقت سے شروع ہوئی ہے، اس سے قبل کی محبت محض سایہ تھا! ہاں میں اُس کا پرستار ہوں، میری شامیں اور صبحیں اسکی پرستش میں صرف ہوتی ہیں۔"

جب اسنے یہ داستان حزن آگیں ختم کی تو ہم دونوں بڑی دیر تک سناٹے کے عالم میں رہے، اُس کی آنکھوں سے خموش آنسوؤں کی بارش جاری تھی، میں نے اُس سے پوچھا "تم پھر بھی کلیوپیٹرا سے ملے"؟ اس نے کچھ جواب نہ دیا، پھر اس کے سارے جسم میں تھرتھری پیدا ہوئی اور کہنے لگا "ہاں، میں پھر اُسکے پاس گیا..... مگر میں اپنی دلکشی اُسکے لئے کھو چکا تھا کیونکہ میں اُسکے لئے سہل الحصول تھا، اُسے مجھ سے محبت نہ تھی۔ میں اُس کے مکان پر پہونچا۔ وہ کسی کے ساتھ موٹر میں جا رہی تھی، ایک ابتسامِ سم آلود سے مجھے دیکھا، اُس نے پھر کبھی مجھے نہ پہچانا ہاں یہ اُس کا رحم تھا کہ اُس نے میرے اشک ندامت و تاسف یاسمینی کے لئے وقف ہونے دئے، اس کا رحم تھا!!"

اُس دن کے بعد سے جمالی کی عزلت و تنہائی بڑھتی ہی گئی، اُسنے شعر کہنا موقوف کر دیا کیونکہ وہ ایک پرسوز و گداز شعر بن گیا تھا، اس نے فسانے لکھنے ترک کر دیئے کہ وہ اب خود ایک داستانِ حزیں تھا۔

ل۔ احمد

مصطفیٰ کمال ایک سیاسی مجدد کی حیثیت سے

اور

انگورہ مشرق کے جامعہ کبریٰ کے رنگ میں

بظاہر مصطفیٰ کمال کی ہستی صرف ایک عسکری قاید اعظم کی سی جنگ جو ہستی خیال کیجاسکتی ہے، لیکن جب زمانہ مستقبل میں سیاسی فریب کاریوں سے دنیا کی فضا پاک ہوجائے گی یعنی جسوقت یورپ کو اپنے موجودہ دسایس سے کام لینے کی ضرورت باقی نہ رہیگی اس وقت ایک مورخ بتا سکیگا کہ مصطفیٰ کمال کس قدر بلند شخصیت کا مالک تھا اور دنیا کا وہ "انسان اعلیٰ" جس کا خواب نیٹشے نے جرمنی میں دیکھا تھا، انگورہ کی سرزمین سے رونما ہونے والا تھا۔

مصطفیٰ کمال نے جس انداز سے موجودہ سیاست کا رخ بدل دیا، وہ اہل نظر سے مخفی نہیں، لیکن آپ اس مضمون میں زیادہ تفصیل کے ساتھ معلوم کریں گے کہ وہ کیا اسباب تھے جنھوں نے تماشا گاہ سیاست کا پردہ الٹ کر گم شدہ ہیرو کو اسٹیج پر لاکر کھڑا کردیا، ہم اپنے عزیز دوست کے ممنون ہیں کہ انھوں نے اس مضمون کو پوری کاوش کے ساتھ مرتب کیا اور یقین ہے کہ ناظرین نگار اس کو دلچسپی سے پڑھیں گے۔

(ایڈیٹر)

انسان کی اجتماعی ضرورتوں کی تنظیم و نگہداشت کے لئے خدائے حکیم و دانا نے دنیا میں اپنے نائبین بھیجے تاکہ وہ ان گنت بنی نوع بشر کو ایک پرامن "جامعہ" اور ایک عافیت اندوز "مرکز" سے وابستہ رکھیں، اور اُن کی تہذیب و اجتماعی زندگی کے لئے یہ نائبین جو قانون و ضابطہ پیش کریں وہ بلا امتیاز انسانی افراد پر اثر انداز ہو،

ان مرسل من اللہ افراد کے دو طبقے یا حصے کئے جاسکتے ہیں:۔

۱۔ انبیاء و ملہمین، ۲۔ بادشاہ و خلفاء،

یہ وہ برگزیدہ افراد ہیں جنہیں انسانی نظم و جامعیت اور رشد و رہبری کا کام سپرد کیا گیا اور اس اہم ترین خدمت کے لئے مبدار فیاض سے اونہیں مافوق الفطرت قوتیں عطا ہوتی رہیں انبیار و ملہمین کے بعد بادشاہ خدائے جلیل و حکیم کے اون احکام کی اتباع و تبلیغ کرتے رہے جو اونہیں قدرت کی طرف سے انسانی مرکزیت اور عدالت کے حفظ و بقا کے لئے پہونچائے گئے تھے تاکہ "نظم انسانی" میں کوئی فساد و برہمی پیدا ہو لیکن جب کبھی خودسر و غافل نابین نے خدائی ضوابط کے مقابل اپنی ہرزہ کار عقل کے بھروسہ انسانی مرکز و جامعیت کے لئے اپنے قوانین و ضوابط وضع کرکے انسانی رشد و رہبری اور تہذیب و اصلاح کا دعوی کیا اون کے دائرہ حکم و حکومت میں وہ مہلک و برباد کن انقلاب پیدا ہوا جس نے جماعتیں کی جماعتیں نیست و نابود کر ڈالیں، بس اس کلیہ دستور کے موافق "امن عالم" کی موجودہ ابتری اور انسانی سکون و عافیت کی یہ عقل سوز برہمی بھی نتیجہ ہے چند ایسے ہی سرکش و ناخداشناس افراد کی "خوداعتمادی" و "خودپسندی" کا،

ظاہر ہے کہ عہد حاضر میں جب کوئی مصنف و مورخ اقوام عالم کی "سیاسی تاریخ" لکھنے بیٹھے گا تو اوسے گذشتہ تاریخی ہنگاموں اور سیاسی انقلابات کو موجودہ خونچکاں حوادث و انقلابات کے سامنے بھول جانا پڑے گا کہ دنیا میں بہت کم ایسے انقلابات رونما ہوئے ہیں جنہوں نے بیک وقت کائنات عالم کا امن و سکون برہم کر دیا ہو آپکو معلوم ہو کہ عہد حاضر کا یہ برہم کن اور عافیت سوز حادثہ جنگ فرنگ، ہے کہ جسکی ابتداء سے لیکر اسوقت تک خدا کی وسیع ترزمین پر بسنے والے ان گنت انسان امن و چین کی زندگی کھو چکے ہیں اور ایک بیتاب کن برہمی ہے جو لاتعداد انسانوں کو از خود رفتہ بنائے ہوئے ہے اگرچہ امن و اطمینان کے حصول کے لئے سیکڑوں تدابیر سوچی جا رہی ہیں لیکن پھر بھی امن میسر نہیں آتا پر نہیں آتا۔ حالانکہ ابتدائے جنگ فرنگ سے اسوقت تک امن کے ہر مدعی کا دعوی قیام و حصول امن ہی رہا ہے، اور ان میں سے ہر شخص بزعم خود "نظام عالم کو استوار کرنے اور بنی نوع بشر کو امن و آسودگی عطا کرنے کا مدعی نظر آتا ہے، لیکن باوصف اس عدل گستر اور امن اندوز دعوی کے کیوں ان لوگوں کے اعمال نے بجائے قیام امن کے انسانی خون کے دریا بہا دیے؟ اس سوال کا جواب سننے کے لئے پھر ایک مرتبہ ان لوگوں کے دعاوی محفوظ کر لیجئے

(۱) دنیا کا امن ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائے

(۲) تمام بنی نوع بشر ایسے مرکز پر جمع ہو جائیں، جہاں اونہیں۔ دارین کی سعادتیں اور کامگاریاں نصیب ہوں،

(۳) زیر دست زبردستوں کی دست برد سے محفوظ رہیں

یہ وہ دعوے ہیں جن کے لئے گذشتہ پانچ سال میں تین زبردست تحریکیں رونما ہوئیں اور جو اپنی ہمہ گیر اہمیت اور حیرت فزا حوادث کے اعتبار سے نہایت وقیع ہیں۔ ان تحریکوں کے نام یہ ہیں، قیصریت، بالشویت، کمالیت،

قیصریت ۔ میں اوپر عرض کر چکا ہوں کہ دنیا میں جب کوئی ایسا ہوشربا انقلاب ہوا ہے جس نے بنی نوع انسان کے امن و سکون کو فساد و برہمی سے بدل ہی دیا تو اوس میں ایسے ہی خود پسندانہ انسانی اثرات کو دخل ہوا ہے جو قدرت کے پر امن قوانین سے ٹکرا کر تخریب انسانی کا باعث بنے ہیں چنانچہ ۱۸۸۸ء کا شاید وہ سب سے تاریک زمانہ تھا جب قیصر ولیم، جرمنی تاج و تخت کا مالک بنایا گیا، اور اُس نے اپنے ہوشمند وزیر پرنس بسمارک کو اس وجہ سے علیحدہ کر دیا کہ وہ قیصر ولیم کے بعض اون مقاصد کا مخالف تھا جو امن عالم اور خود جرمنی قوم کے لئے ہلاکت بار تھے لیکن جب قیصر جرمنی پرنس بسمارک کو علیحدہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تو اوس نے اپنے جدید وزیر اعظم پرنس کپ ریوی کی تائید سے ۱۸۹۰ء میں ایک ایسا "نظام عمل" مرتب کیا جس کے ذریعہ ظاہر تو تمام دنیا کے امن و امان کی ذمہ داری کی گئی تھی، اور خود کو دنیا کے سامنے ایک "برگزیدہ فرد" اور "فرستادۂ خدا" کی مذہبی حیثیت سے پیش کر کے چاہا تھا کہ تمام جہان اوسے اپنا حقیقی رہبر و نجات دہندہ مان لے، لیکن بہ باطن وہ ایک ایسے لائحہ عمل کو ترتیب دے رہا تھا جس میں "ذاتی اغراض کا حصول"، "قومی تعصب" اور "دنیا بھر کو غلام بنانے کے اثرات"، موجود تھے اس لئے اوس نے سب سے پہلے اپنی قوم کو "عصبیت" کے حد سے زیادہ گہرے رنگ میں اسدرجہ رنگ دیا کہ جرمنی قوم خود کو دنیا کا تنہا رہبر و حاکم سمجھنے لگی،

قیصر ولیم نے اپنے اس امن سوز اور خود پسند مقصد کو فروغ دینے کے لئے جرمنی میں ایک طاقتور جماعت ایسی پیدا کر لی تھی جو اُس کے مقاصد کی تبلیغ میں اپنی پوری عملی قوتیں صرف کر رہی تھی، اس جماعت میں مشہور جرمن فلاسفر "نوٹشکے" کی تعلیمات کو نمایاں اہمیت حاصل ہے، جس کا منشا جرمن قوم کو ایک ایسی خود پسندی سکھانا تھا جسکی وجہ سے ہر جرمن اپنے کو خدا کی تمام بخششوں اور زمین کے ہر حصہ کو اپنا ورثہ سمجھنے کا عادی ہو گیا تھا،

آخر کار کوئی اکتالیس برس کی ان خفیہ کوششوں کے بعد جب قیصر جرمنی اپنی قوم میں "خود اعتمادی" کی روح پھونک چکا تو اوس نے حکم دیدیا کہ بڑھو اور خدا کی اوس طویل و عریض زمین پر قبضہ جما لو جس پر تم سے کمتر اور ضعیف انسان حکمراں ہیں، پس یہی وہ خود غرضانہ مقصد و جذبہ تھا جسے سیکڑوں سیاسی رنگ دیکر ۴ اگست ۱۹۱۴ء کو جرمن قوم نے دنیا کے سامنے پیش کیا،

اسوقت قیصر جرمنی کا سب سے ہوشیار سیاسی کارندہ ڈاکٹر وان بیتھمن ہالوینگ، جرمنی کا صدر اعظم تھا جس نے اس خود غرضانہ مقصد کو ان خونچکاں الفاظ میں ظاہر کیا تھا،

"جرمن قوم اپنی حلیف و معاہد قوم (آسٹریا) کی طرفداری میں اس لئے جنگ کرتی ہے کہ وہ "حق دوستی" کو (جو ایک بہترین انسانی فرض ہے) آگ و خون سے تکمیل کرا ادا کرے،

جرمنی قوم دنیا کی تمام غلام جماعتوں کو اس حیثیت سے آزاد کرائیگی کہ اوس کا بادشاہ خدا کی ایک "فرستادہ تلوار ہے" جو محض خدا کے بندوں کو آزاد کرانے کے لئے نیام سے باہر نکالی گئی ہے"

ملاحظہ ہو، تاریخ جنگ یورپ صفحہ ۔ مولفہ ڈاکٹر سہا

ایل، ایل، ایم، لنڈن

آخرکار ۴ اگست ۱۹۱۴ء کو یہ "خدائی تلوار" اوسی کے بیگناہ بندوں پر چمکی، اور جیسا کہ خدا کی تلوار میں کوئی مافوق العادت صفت ہونی چاہئے وہ نعوذ باللہ اس میں بدرجہ اتم پائی گئی، یعنی جرمنی قوم اون خونبار و خونریز اسلحہ کے ساتھ میدان جنگ میں آئی جنکا انسانی دماغوں میں سان گمان تک نہ تھا، اسوقت جن لوگوں نے جرمن قوم کے اس اقدام کا عمیق مطالعہ کیا تھا وہ جانتے تھے کہ جرمنی کی یہ خونخوار تحریک کس درجہ اہتمام سے مکمل کی گئی تھی؛ چنانچہ جرمن قوم جس طرح میدان جنگ میں خدا کی بے گناہ مخلوق کا خون بہانے کے لئے تمام ضروریات جنگ سے آراستہ تھی اوسی طرح اُس کے اندرونی تمام انتظامات نہایت ہی مکمل تھے، جنگی و سیاسی مشن تمام دنیا میں پھیل گئے تھے، جرمنی کے ارباب قلم نے اپنی تمام تر قوت "جرمن تحریک" کی تبلیغ و اشاعت کے لئے وقف کردی تھی، اوس کے مقررین کی تمام تقریریں "قیصریت" کی ثنا و مدحت سے متعلق ہوا کرتی تھیں، غرض عروج قیصریت کے لئے وہ سب کچھ کیا گیا جو حصول مقصد کے لئے کوئی ذی حوصلہ قوم کرسکتی ہے، اور یہ اسی دبدبہ انگریز چال کا نتیجہ تھا کہ جنگ جرمنی سے برسوں کی سوئی ہوئی اقوام بھی چونک اوٹھیں اور اونہوں نے یقین کرلیا کہ ہمارا صحیح نجات دہندہ "جرمن کا بادشاہ" ہی ہوسکتا ہے، اور اسلئے اونھیں اطمینان ہوگیا کہ جب جرمن تحریک مغلوب اقوام کو آزاد کرانے کے باب میں ہے تو وہ ضرور کامیاب ہوگی۔ لیکن مغلوب اقوام کی یہ توقعات محض اوس کمزوری کا نتیجہ تھیں جو اُن میں برسوں کی غلامانہ زندگی نے پیدا کردی تھیں، اور جرمن فتوحات کی یہی وہ امیدیں تھیں جنہوں نے کچھ دن کے لئے غلام ہندوستان کو متوقع بنا لیا تھا، لیکن جن دماغوں نے قیصریت کی اصل و غایت کو اُسکی جارحانہ

کارروائیوں سے معلوم کرلیا تھا اونہوں نے اوسی وقت کہدیا تھا کہ قیصریت کی اصل " دنیا کو غلام بنانے اور تمام عالم کو قوت کے بل مسخر کر لینے پر مبنی ہے، لہذا وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی،

آخر کار وقت آگیا کہ یہ تحریک اپنے پورے ساز و سامان کے ساتھ ۱۹۱۶ء میں ورڈن کے پہاڑوں میں ٹکرا کر پاش پاش کردی گئی، جرمنی میں اندرونی انقلاب ہوا، اور خود جرمن قوم نے قیصریت کی خود پسند اور شخصی حرص دآز کو محسوس کرکے اوسے تخت و تاج سے محروم کردیا، اور اس طرح کوئی اکتالیس سال کی وہ تمنا جو قیصر ولیم نے اپنی پوری ذہنی قوت سے جرمن دماغوں میں پیدا کی تھی سوئیٹزرلینڈ کے کسی تاریک غار میں دفن کردی گئی، پس معلوم ہوا کہ ایک ایسی تحریک کی تباہی جس نے برسوں کی سوئی ہوئی اقوام کو جگا دیا تھا محض اس وجہ سے ہمیشہ کے لئے فنا کردی گئی کہ اوسکی اغراض "تعصب و کوتاہ نظری"، "کبر و نخوت"، اور "قوت و خود مطلبی" پر مبنی تھیں، اور اسلئے اوس میں بنی نوع البشر کے "جامعہ عامہ" بننے کی کوئی پائیدار استعداد و صلاحیت نہ تھی، بلکہ وہ محض ایک مخصوص قوم کی اغراض کی حامل تھی اور بس،

بالشویت قیصریت کے بعد سرزمین روس میں بالشویک تحریک کا آغاز ہوا، اور یہ اس لئے کہ بادشاہ روس "زار" کا عہد حکمرانی اپنی رعایا کی بے کسی اور غلامی کا نہایت ہی صبر آزما عہد تھا، آخر جب رعایا کا صبر و ضبط قابو سے باہر ہوگیا، اور اوسکی فطری آزادی بلکلیت سلب کرلی گئی تو ۱۹۱۷ء میں رعایائے روس کی ایک سربرآوردہ جماعت اوٹھی اور اس نے زاریت کی اینٹ سے اینٹ بجادی، زار روس قتل کیا گیا اور اوسکی خونخوار حکومت کی جگہ ایک ایسی حکومت کی بنیاد رکھی گئی جس کے ظاہری مقاصد میں دنیا جہان خصوصاً مجبور و کم مایہ افراد کے عروج و استقلال کی برکتیں مضمر تھیں، اور جب اس جماعت کے قائدین درعمارہ زار کے تخت حکومت پر قابض ہوگئے تو اونہوں نے دنیا کے ان گنت بنی نوع بشر کے نام ایک اعلان شائع کیا جس کے سنہری اور چمکیلے الفاظ یہ ہیں

> بالشویک تحریک دنیا سے غلامی و سرمایہ داری کی لعنت کو یکسر فنا کردیگی وہ خود مختار انہ جذبات کی جگہ مساوات و جمہوریت کے امن اندور اصول قائم کردیگی اور سب سے آخر وہ اون خدا کے غریب بندوں (مزدوروں) کو متمول و سرمایہ دار ظالموں سے نجات دلائیگی جو آئے دن مصائب و مہالک میں مبتلا رہتے ہیں۔

ایم، ٹراٹسکی بالشویک وزیر جنگ"،
ایم لینن بالشویک قائد اعظم"، ریوٹر مارچ ۱۹۱۹ء

بالشویک لیڈروں کے یہ وہ الفاظ ہیں جنہوں نے تمام دنیا کی نظروں میں امید افزا چمک دمک پیدا کر دی تھی، اور مغلوب و غلام افراد کے گھروں میں بالشویک استقبال کے لئے گھی کے چراغ جلائے گئے تھے، اور انہی دعاوی کے ساتھ بالشویک تحریک آگے بڑھی اور اپنے مشتہر مقاصد کے اعتبار سے اُس نے ایک حد تک ترقی بھی کی، لیکن جو دماغ کہ انسانی فطرۃ کے نازک ترین خواص سے آشنا ہیں اونھوں نے نہایت خموشی سے فیصلہ کر دیا تھا کہ بالشویک تحریک بھی اپنے اندر "جرمن خود غرضی" کا ایک نہایت ہی پوشیدہ مگر اٹل جذبہ رکھتی ہے، کیونکہ بالشویک اصول میں "تبدیل مذہب" کے گراں مقصد کے ساتھ انتزاع سرمایہ داری کے یہ معنی ہیں کہ ایک ایسے شخص کی دولت و جائداد کو چھین کر، "قومی دولت" کے نام منسوب کر دیا جائے جسکے اباؤ اجداد نے پشت ہا پشت کی محنت کے بعد وہ سرمایہ جمع کیا ہو ظاہر ہے کہ دونوں اصول انسانی فطرت کے لئے ناقابل برداشت ہیں، لیکن ابھی کہ دنیا نے اس تحریک کا عمیق مطالعہ نہیں کیا تھا اسوجہ سے یہ تحریک ابتداء میں مقبول ہوئی، جس کی ظاہری وجوہ یہ ہیں۔

الف، جرمن خونخواری سے ابھی دنیا عہدہ برآ نہیں ہوئی تھی

ب صدیوں کی غلام اقوام میں جرمن اقدام و یوروپین آویزش سے "قومی استقلال" و آزادی کے جذبات اوبھر رہے تھے مگر اونھیں اپنی ذاتی کمزوری کے باعث کسی رہبر و رہنما اور سرپرست کی ضرورت تھی جو اونھیں آکر غلامی سے نجات دلائے،

لہذا ان حالات کے تحت بالشویک تحریک کی تبلیغ و اشاعت نے ان مغلوب افراد کو قدرتاً اپنی طرف متوجہ کر لیا اور اونھوں نے سمجھا کہ بالشویک ہی وہ آقائے ازل ہیں جو ہمیں برسوں کی غلامی سے حقیقی آزادی دلائیں گے ادہر بالشویک زعماء مبلغین نے بھی بعض فیاضیوں اور عطایا کا اظہار کیا۔ پس ان تمام ظاہری اسباب نے بالشویک تحریک کو اس درجہ مقبول بنا دیا کہ کم سواد افراد جرمن ایسی ہلاکت بار و قیامت آثار جنگ و آویزش کو بھول گئے اور بالشویک کامیابی و ہمہ گیری کے منتظر بن بیٹھے، لیکن کیا وجہ کہ یہ دبدبہ خیز اور جمہوریت نواز تحریک تاتار کی پہاڑیوں اور پولینڈ کی دلدلوں میں کچھ ایسی پھنس کر رہ گئی کہ اب اوس کا اگلے طمطراق کے ساتھ ادھر ادھر نا قابل اعتبار ہو گیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ زار کے تحت و تاج پر جو افراد مساوات و حریت کا علم لیکر متمکن ہوئے تھے اون کے دلوں پر بھی خود مختار اور خود غرضانہ جذبہ غالب تھا جس نے قیصر کو سوئٹزرلینڈ میں ایک پناہ گیر کی حیثیت سے مقید کر دیا ہے، اور یہ بالشویک زعماء کے جذبۂ جرمن و آزمی کا نتیجہ تھا کہ وہ روس کی اوس

طوائف الملوکی کو نہ روک سکے جو اندرون روس بالشویک مظالم اور رعایا کی املاک کے ضبط و غصب کے باعث پیدا ہو چکی تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ آج وہی حریت نواز بالشویت موت و فاقہ کشی کی تباہ کن حدود سے آگے بڑھتی ہوئی نظر نہیں آتی، اور اب دنیا نے سمجھ لیا ہے کہ بالشویت بھی بنی نوع بشر کے لئے کسی عافیت اثر مرکز و جامعہ عامہ بننے کی اہلیت نہیں رکھتی پس مغرب یا مادہ پرست دنیا کی بھی وہ دونوں تحریکیں جن کے ہولناک اقدام اور سنہرے دعوؤں نے ایک مرتبہ دنیا جہان کو چونکا دیا تھا اور ان تحریکات نے مغرب پرست طبقہ کو اسقدر متاثر کر دیا تھا کہ باوجود ان کے صریح اضمحلال و انحلال کے بعض کج مج دماغ اور سیاست ناشناس افراد آج بھی جرمن و بالشویک تحریکات کے ایکبارتبہ پھر زندہ ہونے کا یقین رکھتے ہیں، ممکن ہے کہ مغرب کی اندرونی پیچیدگیوں کے باعث یہ تحریکیں پھر کسی قریبی وقت میں اپنی زندگی کا ثبوت دیں لیکن ان کے دعاوی دیکھتے ہوئے ان کی دائمی زندگی اور کامیابی کے لئے پیشین گوئی کرنا میرے نزدیک اس لئے فضول ہے کہ ان کی بنیادیں - اغراض و خود طلبی، تعصب و کوتاہ نظری، پر مبنی ہیں جو انسانی فطرۃ کے لئے ہمیشہ ناقابل قبول رہیں گی،

کمالیت - قیصریت و بالشویت کے ہیبت ناک انقلابوں کے بعد آخر سنہ ۱۹۱۹ء میں مقام حلب سے ایک نہایت ہی کمزور و ناتواں آواز اُٹھی جس نے "اصول حریت کی استواری" اور "مساوات عامہ" کا اعلان کیا، یہ آواز ترکی "انجمن اتحاد و ترقی" کے اون چند ارکان کی تھی جو اپنے وطن سے التوائے جنگ فرنگ کے بعد نکالدیئے گئے تھے، وہ اسوقت حلب میں پناہ گیر تھے، ان لوگوں نے اعلان کیا کہ

"ہم اپنے حقوق و وطن کی مدافعت کے ساتھ ساتھ
اپنے کھوئے ہوئے اعزاز کو دوبارہ حاصل کریں گے"

ملاحظہ ہو یادداشت مرتب طلعت پاشا مرحوم
مجلہ الہلال مصر مارچ سنہ ۱۹۲۱ء

یہ وہ نہایت ہی سادہ اور کمزور الفاظ تھے جن میں نہ تو دنیا بھر کو ترقی و کامرانی اور استقلال و آزادی، کا یقین دلایا گیا تھا، نہ دنیا جہان کے لاتعداد انسانوں کی آزادی اور ان کی صلاح و فلاح کی جھوٹی اور فریب دہ ذمہ داری لی گئی تھی بلکہ محض اپنے کھوئے ہوئے وقار و اقتدار اور قدرتی حقوق کی محافظت کا اعلان کیا گیا تھا، پس اس سیدھے سادے اعلان کے بعد یہ تحریک قائد محترم مارشل مصطفیٰ کمال پاشا کی سرکردگی میں اناطولیہ کے کوہستانوں میں نمودار ہوئی، اور چند دن بعد ہی دیکھنے والوں نے دیکھ لیا کہ اسکی صداقت اثر آواز نے جس طرح مغرب کی

مادہ پرست دنیا کو لرزہ براندام کر دیا اوسی طرح اس کی ہمہ گیر گرج ایشیائے کوچک کے پہاڑوں کو چیرتی ہوئی تبت و ہندوستان میں سنائی دینے لگی، اور ترکی قوم کے وہ جلاوطن افراد جو ایشیائے کوچک کے جنگلوں میں قوت کے بل دھکیل دیئے گئے تھے اناطولیہ میں ایک ایسی حکومت بنانے میں کامیاب ہو گئے جو اسوقت بہ اعتبار رقبہ مملکت فرانس کے برابر بلکہ اوس سے بھی کچھ زیادہ ہے، گو ابتداء میں اس تحریک کے لئے کہا جاتا تھا کہ۔

"یہ ترکی ڈاکوؤں کا ایک آوارہ گرد گروہ ہے"

"جو ایشیائے کوچک کی چٹانوں سے ٹکرا دیا جائے گا"

لیکن جب ستمبر ۱۹۲۱ء میں اس تحریک کے قائد جلیل سرکار دین پناہ حضور مصطفےٰ کمال پاشا نے دریائے سکاریہ کے آتش فشاں دہانے پر یونان کی دو لاکھ فوجوں کو کاٹ کر رکھدیا تو نازکدلان فرنگ چیخ اوٹھے کہ

"یہ تو مشرق قریبہ کی وہ ہوشربا تحریک ہے جسکی ہمہ گیر طاقت تمام مشرق کو گھیر لیگی"

چنانچہ اوائل ۱۹۲۱ء میں اٹلی نے انہیں ترکی ڈاکوؤں کے حق میں ولایت عدالیہ سے اپنی فوج ان کو واپس بلا لیا، نومبر ۱۹۲۱ء میں فرانس نے سلیشیا خالی کر دیا، برطانیہ و امریکہ نے ان ڈاکوؤں کو سامان حرب و ضرب خریدنے کی اجازت دیدی، غرض دو ڈھائی سال کے عرصہ میں یہ آوارہ گرد گروہ ایک ایسی حکومت بنانے میں کامیاب ہو گیا جس کی حدود حکمرانی ولایت بغداد سے لیکر بحیرۂ اسود تک پھیلی ہوئی ہیں اور یہ وہ حدود ہیں جو ۱۹۱۹ء سے لیکر ۱۹۲۱ء تک ترکانِ احرار کے رقبۂ مقبوضہ و مفتوحہ میں داخل ہو چکی تھیں لیکن ۱۹۲۳ء میں وہ فتح سمرنا کے بعد پورے ایشیائے کوچک پر وسعت پذیر ہو گئیں،

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب قیصریت و بالشویت ایسی طاقتور تحریکات بہ یک لمحہ فنا کر دی گئیں تو آخر "کمالیت" میں وہ کونسی خدائی طاقت شامل ہے جو اوسے درجہ بدرجہ استوار و ہمہ گیر بناتی جاتی ہے؟ لہذا اس جواب کے لئے ضرورت ہے کہ کمالی تحریک کے تمام پہلوؤں پر ایک بسیط و غائر نظر ڈالی جائے تاکہ کمالیت کی اوس اصل قوت کا اندازہ ہو جس پر اس تحریک کی بنیادیں رکھی گئی ہیں، پس اس کی اصل الاصول جانچنے کے لئے ذیل کے امور ملحوظ رکھئے،

۱- انسان کی اجتماعی حیات و کامرانی اور قوموں کی تمام تر ترقی ان تین اصول پر منحصر ہے۔

الف) قوم میں وحدت خیال ہو۔

ب) مذہبی رواداری ہو،

ج) مساوات عامہ اور حسن سلوک ہو

یہ وہ اصول سہ گانہ ہیں جن پر اقوام و دول کی حیات و زندگی کا انحصار ہے اور ان تینوں قوتوں ہی کا بہ یک وقت پورے اعتدال کے ساتھ موجود رہنا قوموں اور حکومتوں کی دائمی زندگی اور ارتقار کا ضامن ہے لیکن اگر آپ نے سیاسیات مغرب کا کافی مطالعہ کیا ہے تو آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ قیصریت میں یہ تینوں قوتیں بہ یک وقت یا معتدل صورت میں جمع نہ تھیں، بلکہ جرمن قوم میں ،، وحدت خیال ،، جس درجہ مستحکم تھی اوسی طرح اوس میں ،، مذہبی رواداری ،، کا پتہ بھی نہ تھا جس کا ثبوت لورین کا وہ فرانسیسی گرجا ہے جسے جرمنی توپخانہ نے بالقصد ڈھا دیا، اسی طرح بالشویک قوم میں اگر ،، مساوات عامہ ،، کا کچھ نشان ملتا ہے تو ،، مذہبیت ،، کا کامل فقدان ہے ،، اور یہ لامذہبیت ہی کا نتیجہ ہے کہ ترکان احرار نے بالشویک حکومت سے معاہدہ فارص میں ایک دفعہ کے ذریعہ یہ طے کرلیا کہ وہ حدود ترکی میں اپنی تبلیغی جماعتیں نہیں بھیجی گی اور یہی وہ وجوہ ہیں جنہوں نے تھوڑی ہی عرصہ میں ان دونوں طاقتوں سے ایک عام برہمی اور نفرت پیدا کردی اور وہ آخرکار تباہ و مضمحل ہوگئیں لیکن اس کے مقابل آپ ،، کمالیت ،، کو دیکھئے جس میں یہ تینوں قوتیں نہایت اعتدال ہی کام کر رہی ہیں چنانچہ

۱) بہ اعتبار مذہبی رواداری، انگورہ گورنمنٹ نے اپنی ماتحت غیر مسلم رعایا کو جو مذہبی آزادی دے رکھی ہے اس کا ثبوت قیصریہ کا وہ صدر گرجا ہے جہاں انگورہ کا تنخواہ دار لاٹ پادری رہتا ہے۔

۲) بہ اعتبار ،، مساوات عامہ ،، انگورہ پارلیمنٹ کے ارکان کی فہرست دیکھئے جس میں آپ کو نامسلم رعایا کے نمایندوں میں تین ارمنی اور دو یونانی ممبر نظر آئیں گے جو حکمراں ترکوں کے شانہ بہ شانہ پارلیمنٹ انگورہ میں اپنی قوم کی نمایندگی کرتے ہیں۔

۳) بہ اعتبار ،، وحدت خیال ،، آج ترکی افراد کا یہ عالم ہے کہ ایک ترک بھی ایسا نہیں جو ،، کمالی تحریک ،، کا مخالف ہو، اور یہ اسی وحدت خیال کا نتیجہ ہے کہ ابتداے ۱۹۱۹ء میں جب اس تحریک کو مٹا کر دینے کے لئے قسطنطنیہ سے بحکم داماد فرید پاشا چند فوجیں غدار انزور پاشا کی سرگردگی میں اناطولیہ بھیجی گئیں تو وہ فوراً مارشل مصطفیٰ کمال کی فوجوں میں مل گئیں، اور آج مارشل مصطفیٰ کمال نے اناطولیہ میں جو ترکی طاقت فراہم کی ہے وہ محض بیدار مغز ترکوں کی وحدت خیال ہی کا نتیجہ ہے، ورنہ وحدت خیال کے فقدان سے آج کمالی

تحریک کا بھی وہی حشر ہوتا جو غلام ہندوستان میں سوراج کا ہو رہا ہے کمالی تحریک کے یہ تو وہ حالات تھے جو ترکان احرار کے عام افراد سے تعلق رکھتے ہیں لیکن قیصر جرمنی اور موسیولینن و ٹراٹسکی کے دعاوی کے مقابل اب کمالی تحریک کے سردار اعظم کے وہ الفاظ بھی سنو جو اوس نے اپنی تحریک کی شرح کرتے ہوئے بیان کئے ہیں، مارشل مصطفیٰ کمال بہ ایں سطوت و کمال فرماتے ہیں کہ

> انگورہ میں نہ کوئی قائد اعظم ہے، نہ کوئی بادشاہ،، اور نہ کوئی صدر ہے، تمام اختیارات ،،مجلس ملیہ،، کو حاصل ہیں جس میں جمہور کے وہ نمائندے شامل ہیں جنھیں عوام نے نہایت آزادی سے منتخب کیا ہے۔

[ملاحظہ ہو ،،بمبئی کرانیکل،، مورخہ ۸ اگست ۱۹۲۱ء]

اب ان الفاظ کو پڑھو اور فطرت انسانی کے سامنے پیش کر دو پھر دیکھو کہ وہ ان کی طرف کس مسرت و شادمانی سے مائل ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ کمالی تحریک کے بانی نے یہ الفاظ دنیا کو صرف فریب و دھوکہ دینے ہی کے لئے وضع نہیں کئے بلکہ اوس نے عملاً ایسا کر بھی دکھایا اور یہی وجہ ہے کہ آج اناطولیہ کی مسیحی آبادی اپنی کسی ہم قوم و ہم مذہب حکومت کی ماتحتی میں رہنا پسند نہیں کرتی بلکہ اناطولیہ کے اسقف اعظم کے وہ اعلانات شاہد ہیں جن میں اوس نے ترکوں کی ماتحتی کو بطیب خاطر قبول کرنے کا اعلان کیا ہے

کمالی تحریک کے یہ وہ حالات تھے جو ایک حد تک ،،ترکی مفاد،، سے متعلق کئے جا سکتے ہیں، لیکن اب اون واقعات و معاملات کو بھی معلوم کیجئے جنکی بنا پر ،،انگورہ،، شرق کا جامعہ کبریٰ بننے کی اہلیت رکھتا ہے لہذا میرے نزدیک اس جامعہ میں تمام اقوام و ملل کے جذب و شامل ہونے کے لئے اگر کوئی وجہ موجب ہے تو وہ اس کے ارکان کا ،،خلوص نیت،، مساوات نوازی،، اور ،،ایثار عمل،، ہے جس نے اس تحریک کو قبول عام عطا کیا ہے چنانچہ ذیل کے حالات بتلائیں گے کہ کس طرح ترکان احرار نے دنیا جہان کو امن و راحت کی زندگی بسر کرانے کے لئے قربانیاں کی ہیں؟

اس امر سے بہت کم لوگ واقف ہیں کہ انگورہ کو شرق کا جامعہ کبریٰ بنانے اور تمام ایشائی قوموں اور ضعیف افراد کو اس مرکز پر جمع کرنے کا خیال بھی سب سے پہلے ترکان انگورہ ہی کے ،،ذہن میں پیدا ہوا،،

اور آج یہ چاروں طرف "اتحاد ایشار" کی جو آوازیں سنائی دیتی ہیں یہ اوسی خیال کے عملی نتائج ہیں، چنانچہ ۱۹۱۶ء میں مقام حلب انجمن اتحاد و ترقی کے ارکان کا جو جلسہ ہوا تھا اوس میں اس جائحہ کبری کی بنیاد رکھی گئی تھی اس جلسہ میں مرحوم طلعت پاشا، فواد پاشا، خلیل پاشا، جمال پاشا اور "مصطفےٰ کمال پاشا" شریک تھے، اس میں ترکی ممالک کی واپسی کے ذرائع سوچنے کے ساتھ ساتھ ایک ریزولیوشن اس قسم کا بھی پاس ہوا تھا کہ انجمن اتحاد و ترقی چونکہ ایک قوم کی فلاح و بہبود کے مقاصد کی حامل ہے اس لئے اس میں ترکی قومیت اور مذہبیت کی جو شروط ہیں اونہیں توڑ دیا جائے اور بجائے اس محدود مقصد کے اس مجلس کو تمام بنی نوع بشر کی مجلس عمومی بنا دیا جائے جس میں ہر ملت و مذہب کا آدمی شریک ہو سکے، اس ریزولیوشن کے الفاظ خود دبیر پناہ حضور طلعت پاشا مرحوم کی زبان سے سنئے، آپ اپنی یادداشت میں لکھتے ہیں کہ

> "ہم نے تجویز کیا کہ انجمن اتحاد و ترقی سے تمام قومی و مذہبی قیود کو
> اوڑا دیا جائے، تاکہ ہر شخص اس میں آسانی سے داخل ہو سکے
> اور اس کا نام محض "مجلس مدافعت" ہو"

ملاحظہ ہو "فتی العرب دمشق" ذریعہ ہمدم لکھنؤ

مورخہ ۲ مارچ سنہ ۱۹۲۱ء

یہ ہی وہ ابتدائی تجویز تھی جس میں "اتحاد ایشار" یا مشرقی مرکزیت کا اصل راز مضمر تھا، چنانچہ اس کے بعد بطریق تقسیم عمل احرار کے لیڈروں نے ایشیار کا رخ کیا اور اونہوں نے ایشیار کی اون تمام اقوام کو اس مرکز جمع کرنے کے لئے جدوجہد کا آغاز کر دیا جو کسی نہ کسی طرح کرب و تکلیف اور غلامی و ماتحتی کی زندگی بسر کر رہی تھیں، ترکان احرار کے ان لیڈروں نے اپنی اس خونریز و خونچکاں جدوجہد سے یورپ کے اون مدعیانِ آزادی کا منھ توڑ دیا جو خود کو ضعیف اقوام کی حفاظت و آزادی کا ٹھیکہ دار کہا کرتے ہیں چنانچہ ذیل کے حالات بتلائیں گے کہ کس طرح ترکوں نے ضعیف اقوام کو آزادی دلانے اور اونہیں ایک مرکزی زندگی عطا کرنے میں اپنی جانوں کو نذر مہالک کر دیا۔

(۱) ایشیائی روس کے لاکھوں غیر قومیت رکھنے والے افراد زار کی حکومت سے جس قدر تباہ و تنگدل ہو رہے تھے، اونہیں بالشویک لیڈروں نے یقین دلایا تھا کہ وہ بالشویک حکومت کے دور میں نہایت آزاد زندگی بسر کریں گے، لیکن حقیقت اس کے برعکس تھی اور لینن کی پرفریب پالیسی ان بے کس جماعتوں کو برابر اپنا شکار

بنا رہی تھی، آخر کار ستمبر سنہ ۱۹۲۰ء میں ترکان انگورہ کے ممتاز رکن حضور نوری پاشا نے پانچہزار حرار ترکوں کے ساتھ باکو پر ایک ہوشربا ضرب لگا کر بالشویکوں کو بتلا دیا کہ وہ اپنی ہمقوم اور غریب جماعتوں کو دشمن سے محفوظ رکھنے کے لئے کس قدر اہم قربانیاں کرنے کو تیار ہیں۔ اسی طرح آرمینیہ و باطوم وغیرہ میں فیلڈ مارشل کاظم قرہ بکر پاشا، اور ہزاکسلنسی خلیل پاشا نے جس خونبار و خونریز پیشقدمی کا اظہار کیا اوس نے بالشویک حکومت کے کان کھڑے کر دیئے ادہر قاید جلیل حضور انور پاشا اور آپ کے رُفقائے کرام نے تورانی و تاتاری اقوام کے حفظ و استقلال کے لئے جو زبردست قربانیاں کیں اونہوں نے بالآخر بالشویک جابر حکومت کو مجبور کر دیا کہ پورے "ترکستان" کو آزاد کر کے اپنا دوست بنا لئے چنانچہ انہی ترکی لیڈروں کی قربانیوں کا نتیجہ ہے کہ معاہدۂ فارص کے ذریعہ روسی ترکستان کی چار کڑوڑ آبادی رکھنے والی خالص اسلامی ریاست "یوکرین" کو بالشویک حکومت نے آزاد و مختار کل بنا دیا، اس معاہدہ میں بالشویک حکومت نے جمہوریہ یوکرین کو آزاد کرتے وقت صاف لفظوں میں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ وہ ترکان انگورہ کی سفارش پر یوکرین کو آزاد کرتی ہے یہ معاہدہ مارچ سنہ ۱۹۲۱ء مین مقام فارص ہوا تھا جس میں انگورہ گورنمنٹ کی طرف ہزاکسلنسی کاظم قرہ بکر پاشا نمایندہ تھے۔

اس کے بعد "جمہوریہ آذربائیجان، داغستان، گرجستان کی متعدد ریاستین بھی انہی ترکی مجاہدین کے اثرات ہیں، جمہوریہ بخارا کی تازہ ترین آزادی میں حضور انور پاشا نے جو مساعی جمیلہ انجام دی ہیں اوس کی حالات کا سلسلہ اسوقت ہی ہندوستان میں تازہ اور باقی ہے، افغانستان کی ترقی میں حضور جمال پاشا مرحوم کی اصلاحات و خدمات ابھی کل کی بات ہے، ایران میں ترکی جدوجہد کا حال پڑہنا ہے تو سنہ ۱۹۲۰ء کے وہ تار پڑہو جس میں حدود ایران میں نوری پاشا کے وفد کا پہونچنا ظاہر کیا گیا ہے چنانچہ آپ کے ایران میں پہونچنے کے متعلق ذیل کی اطلاع موجود ہے،

> نوری پاشا نے ایک طویل مدت باطوم اور شوشا میں گذاری اور وہاں سے اونہوں نے مصطفیٰ کمال پاشا سے ملنے کا انتظام کیا جنہوں نے اونہیں ایک خاص مشن پر ایران بھیجدیا (ملاحظہ ہو جریدہ اقبال مرادآباد ۲۰ر اپریل سنہ ۱۹۲۰ء

عراق میں عربوں کو آزاد کرانے کے لئے جنرل نور الدین پاشا، جنرل نہال شاد پاشا، کرنل حبیبی، اور ترکی نمایندہ

حضرۃ شیخ سنوسی کی مساعی شاہد ہیں کہ کس طرح ان لوگوں نے عراقیوں کی آزادی کے لیے سرفروشانہ خدمات انجام دیں، اور سب سے آخر ایثار کے بر اعظم ہندوستان کی آزادی کے لئے کمالی تحریک کے بانی مارشل مصطفیٰ کمال پاشا کے وہ متعدد اعلانات پڑھو جو تمام ہندی جرائد میں ہندوستان کو آزادی دلانے کے باب میں شائع ہو چکے ہیں، غرض ترکان انگورہ کی یہی وہ خدمات تھیں جنہوں نے بالآخر پورے ایشیا کو بیدار کر دیا اور یہ تمام اقوام جامعہ انگورہ میں شامل ہونے لگیں، اب ذیل میں وہ جماعتیں۔ یا حکومتیں، پیش کی جاتی ہیں جو جامعہ انگورہ سے ربط و وابستگی پیدا کر چکی ہیں،

۱۔ مملکت روس

۲۔ مملکت افغانستان

۳۔ حکومت ایران

۴۔ جمہوریہ یوکرین

۵۔ جمہوریہ آذربائیجان

۶۔ جمہوریہ ارمنستان

۷۔ جمہوریہ داغستان

۸۔ جمہوریہ گرجستان

۹۔ جمہوریہ جارجیہ

۱۰۔ جمہوریہ بخارا

یہ تو وہ حکومتیں ہیں جنہیں ترکوں کے ساتھ ایشیائی برادری کا تعلق ہے لیکن جامعہ انگورہ کی اس خداسانہ اہمیت کو کیا کہیے کہ اس کے ساتھ یورپ کی ازلی دشمن حکومتیں بھی ربط و اتحاد کے معاہدے کر رہی ہیں چنانچہ اس وقت تک جس قدر یورپین حکومتیں، انگورہ گورنمنٹ کے ساتھ کسی نہ کسی طرح معاہدے کر چکی ہیں ان کے نام یہ ہیں۔

حکومت اٹلی

حکومت فرانس

حکومت جرمنی

مصطفےٰ کمال

حکومت بلغاریہ

حکومت سویڈن

حکومت امریکہ

اب مذکورہ حکومتوں کے انگورہ سے اتحاد کر لینے کو محض سیاسی اتحاد کہنا نہایت ہی لغو بات ہے بلکہ ان حکومتوں نے سیاسیات کے ساتھ اصل میں اون اصول جمہوریت کو بھی دل سے قبول و پسند کر لیا ہے جن پر دانایان انگورہ نے اس شرقی جامعہ کی بنیادیں استوار کی ہیں، چنانچہ یورپ کے ذمہ دار مدبرین میں ان اصول کا پسند کرنے والا سب میں پہلا شخص اٹلی کا مشہور ترکی دوستدار وزیر اعظم موسیو سونی ہے جس نے ترکی اتحاد و دوستی کا سب سے پہلے اعلان کیا، اوس کے بعد مملکت فرانس ہے جسکی ترک پسند پالیسی سیاسیات سے بڑھکر ترکی اصول مساوات کی اس درجہ قایل ہو چکی ہے کہ حال ہی میں ایک زبردست انجمن کا محض اس لئے افتتاح ہوا ہے کہ اس کے ذریعہ اسلام کے اون اصول و اعمال کو ترویج دیجائے جو ترکوں کا ازل سے اوڑھنا بچھونا ہیں فرانس کی یہ وہ مقتدر مجلس ہے جس کے کارکنوں میں فرانس کے ممتاز و معزز سیاست داں اور ذمہ دار افراد شریک ہیں، اس مجلس کے متعلق اسلامی ہند کا ممتاز ارگن ،، روزنامہ زمیندار لاہور لکھتا ہے کہ۔

فرانسیسی روز بروز اسلام کی طرف مائل ہوتے جاتے ہیں فرانس میں اسلامیات کی توسیع و ترقی اور دنیاے اسلام سے رشتۂ اتحاد جوڑنے کے لئے جس قدر انجمنیں ہیں ان میں ،، انجمن فرانس اسلام ،، کو خصوصیت حاصل ہے، اس مقتدر انجمن کی صدارت کے فرائض ایم فرنیکل بوالمن اور مارشل سیوٹی انجام دے رہے ہیں، اس انجمن نے اپنے اغراض و مقاصد کی اشاعت کے لئے ایک مہوار رسالہ بھی جاری کیا ہے جس کا نام ،، فرانس اسلام ،، ہے اس پرچہ میں مشہور ترک پسند اہل قلم فرانسیوں کے مضامین ہیں جن میں ممتاز ترکی خیر خواہ پیر لوٹی ڈاکٹر کلاڈ فیرر اندری لشن برگ مارشل سیوٹی اور میڈم گالی کے نام بالخصوص قابل ذکر ہیں،

(ملاحظہ ہو زمیندار مورخہ ۲۳ فروری ۱۹۲۳ء)

مصطفےٰ کمال

اب اگر برطانیہ و امریکہ چین و جاپان کی اون جماعتوں کا حوالہ دیا جائے جو ترکان انگورہ کے اصول کو دل سے پسند کرتی ہیں تو ایک طویل فہرست بن جائے گی، لہذا بہ ہیئت مجموعی اسقدر کہدینا کافی ہوگا کہ مجلس ملیہ انگورہ کی طرف آج دنیا جہان کی جماعتین جس دلچسپی و ہمدردی سے دیکھ رہی ہیں یہ سب کچھ دانایان انگورہ کے اون مساوات نواز اصول کے نتائج ہیں جن میں امن و راحت اور "اتحاد و یگانگت" کی دلنواز روح موجود ہے آخر میں یہ کہلانے کے لئے کہ ترک نہ صرف اپنے ہی قدح کی خیر مناتے ہیں بلکہ وہ کل بنی نوع بشر کو ایک پرامن مرکز پر جمع کرنے کے لئے ساعی ہیں دانایان انگورہ کے بعض اون خیالات کو پھر نقل کرتا ہوں جن میں سرکاری طور پر طلعت پاشا مرحوم کی گذشتہ تجویز اتحاد عامہ کی تائید و تجدید کی گئی ہے۔ چنانچہ جمہوریہ یوکرین سے ۲۰ جنوری ۱۹۲۲ء کو انگورہ گورنمنٹ سے جو معاہدہ ہوا ہے اس کے مقدمہ میں ترکی نمایندوں نے یہ عبارت لکھی ہے۔

> ترکی حکومت کی مجلس وطنی اور یوکرین کی جمہوری حکومت چونکہ اقوام سے اخوت کے تعلقات قائم رکھنے میں متحد اور ہر ایک قوم کی آزادی کا طریقہ متعین کرنے کا مرکز نہیں ہیں اور اونہوں نے یہ بھی معلوم کرلیا ہے کہ وہ فتح اور توسیع ملک کے خواہشمندوں کے خلاف جد وجہد میں مشترک نہیں اس لئے وہ ایک امن معاہدہ کو مکمل کرتی ہیں۔

یہ اوس معاہدہ کی تمہیدی عبارت ہے جو ۲۰ جنوری ۱۹۲۲ء کو انگورہ میں مرتب ہوا تھا اور اس پر انگورہ گورنمنٹ کی طرف سے حسب ذیل مقتدر ارکان حکومت کے دستخط ثبت ہیں یوسف کمال بے وزیر خارجہ انگورہ، ڈاکٹر منیر بے قانونی مشیر خارجہ یوسف اختر بے کونسلر حکمت بے سیاسی ڈائرکٹر، مصطفےٰ کمال عبد العلی بے وزیر اقتصادیات، کرنل کاظم بے وزیر جنگ، ڈاکٹر علی بے صدر وفد انگورہ اس عبارت سے طلعت پاشا مرحوم کی اوس تجویز کی تائید ہوتی ہے جس میں مرحوم نے انگورہ کو تمام دنیا کے اتحاد کا مرکز قرار دیا تھا۔ اسقدر حالات کے بعد دانایان انگورہ کی سب سے آخری اور مسعود ترین کارروائی "انگورہ میں قیام "جمعیۃ العلماء" یہ جمعیۃ جامعہ انگورہ کی اہمیت کو دوبالا کردیتی ہے اس مجلس کے صدر مشہور سیاست داں علامہ عبد العزیز جاویش مصری ہیں، اس مجلس میں تمام عالم اسلام کے نمایندے طلب کئے گئے ہیں، بظاہر یہ مجلس عالم اسلام کی ایک مذہبی مجلس ہے لیکن جو دماغ اسلامی سیاسیات سے واقف ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اسلام میں مذہب و سیاست کوئی علحدہ علحدہ دو چیزیں نہیں پس اس مجلس کا کھلا ہوا مقصد یہی ہے کہ وہ ایک مرکزی جامعہ ہونے کی

اعتبار سے کل عالم اسلام اور اپنے دوستدار ممالک کے نمایندوں کو متفقہ مشورہ سے رہنمائی کرے کہ ایک مرکز و جامعہ کا بھی مقصد و منشا رہوا کرتا ہے، پس اس حیثیت سے یہی وہ مجلس ہے جو تبدریج پورے مشرق کو اپنے اندر جذب و شامل کر لیگی اور وقت آجائیگا کہ تمام ایشیا اسی مجلس کو "مشرقی جمعیۃ الاقوام" اور اپنا صحیح مرکز و جامعہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے انگورہ میں "جمعیۃ العلماء" کا قیام و افتتاح ترکان انگورہ کا وہ مفید النظر احساس و لائحہ عمل ہے جس میں تمام مشرق کی "خوش قسمتی" "فراغت" اور "اتحاد و یگانگت" کے منور آثار ہویدا ہیں، اور یہی وہ تدابیر و خدمات ہیں ترکان انگورہ کی جنہوں نے بالآخر اونہیں مشرق کا فاتح اعظم کہلانے کا مستحق بنا دیا ہے پس ترکان احرار کی تحریک اگر کسی غیر معمولی اور غیر متوقع حادثہ سے ٹکرا گئی تو پھر بھی وہ تحریک ہوگی جو مشرق کو مغرب سے علحدہ کر کے اون کج دماغ افراد کے خیال کو برہم کر دیگی جو مشرق و مغرب کے اتحاد و اجتماع کے غیر طبعی خواب دیکھا کرتے ہیں"

توحیدی بھوپالی

جلوہ گاہ

نماز عشق میں ہے مرغ خوشنوا مشغول　　طواف کعبۂ غنچہ میں ہے صبا مشغول
ہے کائنات عبادت میں برملا مشغول　　نوا آشنا حقیقت نئی خطا ایں جاست

بہ بیں بہ چشم تصور کہ آشنا ایں جاست

افق کے چہرۂ گلگوں کی دلبرای دیکھو　　شعاع مہر کے افسوں کی دلبری دیکھو
اٹھو اور چڑیوں کی چوں چوں کی دلبرای دیکھو　　کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا ایں جاست

بہ بیں بہ چشم تصور کہ آشنا ایں جاست

مہ منیر کی تنویر گھٹ گئی دیکھو　　شب سیاہ کی چادر وہ پھٹ گئی دیکھو
نقاب چہرۂ خورشید ہٹ گئی دیکھو　　نمود ہستی ہر ذرہ خضر ما ایں جاست

بہ بیں بہ چشم تصور کہ آشنا ایں جاست

امین حزیں

کلام آزاد (انصاری)

کون نہیں جانتا کہ نظم کا پایہ بلحاظ تاثیر نثر سے بالاتر ہے۔ معمولی سے معمولی الفاظ جو عام بول چال میں چنداں قابل لحاظ نہیں سمجھے جاتے ہیں، موزوں و مقفیٰ ہوکر نیر و نشتر بن جاتے ہیں۔ اور جب اُن کا جامع کوئی صاحب سلیقہ اور صاحب دل مشاق شاعر ہو تو دلوں کو بیچین کر دینا، طبائع کو تڑپا دینا، روتوں کو ہنسا دینا اور ہنستوں کو رلا دینا اُس کے کلام کا ادنے ادنیٰ کرشمہ سمجھنا چاہئے، اگر شاعر حقیقی معنوں میں شاعر ہے تو وہ حقیقی معنوں میں فرماں روا ہے کیونکہ وہ دلوں پر حکومت کرتا ہے اور اسکی حکومت لازوال حکومت ہوتی ہے۔ فارسی شعراء میں سے عمر خیام۔ سعدی۔ اور حافظ اور اردو شعراء میں سے میر۔ غالب اور حالی کا زمانۂ حیات کبھی کا ختم ہوگیا۔ لیکن انکی شاعری زندہ ہے۔ اور صرف زندہ ہی نہیں بلکہ اسیطرح حکومت کررہی ہے جس طرح ان کے زمانۂ حیات میں۔ شاعر بیشک پیغمبر نہیں ہوتا لیکن اُسکو الہام ضرور ہوتا ہے۔ مگر ہر شاعر کو الہام نہیں ہوتا۔ صرف اسی شاعر کو ہوتا ہے جو الہام کا اہل ہوتا ہے۔ اسکی شاعری موثر ہوتی ہے اور اس قدر موثر ہوتی ہے کہ بعض اوقات اسکی ایک نظم یا ایک شعر بلکہ ایک مصرعہ بڑی بڑی قوموں اور بڑے بڑے ملکوں کی قسمتوں کا فیصلہ کردینے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ لیکن ہم پھر کہیں گے کہ یہ درجۂ کمال ہر شاعر کو حاصل نہیں ہوتا۔ صرف انہیں مخصوص افراد کو حاصل ہوتا ہے جنکو منجانب قدرت اس کام کے لئے عام انسانی دل و دماغ سے بالاتر ایک خاص قسم کا دماغ عطا کیا جاتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جنکی شاعری ساحری سے ترقی کرکے اعجاز کے درجہ تک پہونچ جاتی ہے۔ ہمارے کرم فرما حکیم مولوی الطاف احمد صاحب آزاد انصاری (جنکے کلام سے ہم آج پبلک کو عموماً اور صاحبان ذوق شعر کو خصوصاً روشناس کرنا چاہتے ہیں) یہی موجودہ دور کے انہیں مخصوص افراد میں سے ہیں جنکو قدرت کی طرف سے اک خاص قسم کا

دل و دماغ عطا کیا گیا ہے۔ آپ سے وہ تمام مقامی حضرات جہاں کہیں بھی آپ کا تھوڑا بہت قیام رہا ہے بخوبی واقف۔ اور آپ کے کمال شاعری کے بدل معترف ہیں۔ لیکن ابھی تک ملک آپ سے عام طور سے واقف نہیں جسکی صرف ایک وجہ ہے اور وہ یہ کہ آپ کی طبیعت حد سے زیادہ غیر شہرت پسند واقع ہوئی ہے۔ آپ جو کچھ لکھتے ہیں رکھ لیتے ہیں اور کبھی شائع کرنے کی کوشش نہیں کرتے البتہ اگر کوئی سر ہی ہو جاتا ہے تو اسکو نقل دیدیتے ہیں۔ میں نے اکثر چاہا کہ آپ کے کلام کا کچھ حصہ شائع کروں مگر ہمیشہ ناکام رہا۔ اب بمشکل آپ کو آپ کے کلام کی اشاعت پر رضامند کیا ہے جس کا انتخاب ان چند سطور میں آپ کی نظر سے گزریگا۔ چونکہ ملک آپ سے اچھی طرح واقف نہیں اس لئے ضروری ہے کہ پہلے ملک سے آپ کا تعارف کرا دیا جائے۔

نام و نسبت وغیرہ مشہور نام الطاف احمد۔ اسم تاریخی نظیر حسین۔ ابوالاحسان کنیت۔ آزاد تخلص۔ محمد حسن باپ کا نام۔ ذات شیخ انصاری۔ مقام پیدائش خاص ناگپور جہاں آپ کے والد ماجد بعہدۂ اوورسیری ملازم تھے۔ سال پیدائش ۱۲۸۹ھ۔ مقام سکونت خاص شہر سہارنپور۔ حال مقیم دہلی۔

شاعری آپ نے شعر گوئی ۱۸۹۰ء میں اختیار کی جب کہ آپ کی عمر ۱۹ یا ۲۰ برس کی تھی۔ ابتداءً مولانا حبیب الرحمٰن صاحب بیدل سہارنپوری سے اصلاح لیتے رہے۔ بعد ازاں جب ۱۸۹۵ء میں مولانا بیدل ملازم سرکار آصفیہ ہو کر حیدر آباد دکن چلے گئے تو آپ مولانا حالی (جنسے آپ کو پہلے ہی سے عقیدت تھی) کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اور تاحیات ان سے اکتساب فن کرتے رہے۔ اور چونکہ مولانا بیدل اور مولانا حالی دونوں غالب کے تلامذہ میں سے تھے اس لئے آپ کا سلسلۂ شاعری دونوں واسطوں سے غالب مرحوم پر منتہی ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں:۔

پھر چارہ اغلاط غزل ہی نہ ملا　　　پھر رفع نقائص کا محل ہی نہ ملا

پھر حسرت اصلاح بر آہی نہ سکی　　　پھر حالی و بیدل کا بدل ہی نہ ملا

بہرحال آپ کے کامل فن ہونے کی اسکو بھی ایک دلیل سمجھنا چاہئے کہ آپ نے حالی جیسے

کامل الفن مسلم الثبوت استاد سے کم وبیش بیس ۲۰ سال تک کتاب فن کیا۔

انداز کلام اس لحاظ سے کہ سمجھنے میں آسانی ہو ہم آپ کے انداز کلام کے دو حصے کئے دیتے ہیں

(۱) خاص انداز کلام (۲) عام انداز کلام۔

خاص انداز کلام کے ماتحت آپکے کلام کی ان خصوصیات پر روشنی ڈالی جائے گی جو آپ کو دیگر شعرا سے ممتاز کرتے ہیں۔ اور عام انداز کلام کے ماتحت ان عام محاسن شعری پر بحث کی جائیگی جو آپ کے کلام میں بھی عام طور سے پائے جاتے ہیں

خاص انداز کلام غور کرنے سے حضرت آزاد کے کلام میں مندرجہ ذیل خصوصیات معلوم ہوتی ہیں (۱) تکرار الفاظ (۲) تقابل الفاظ (۳) ترصیع (۴) ٹکڑے (۵) مسلسل اشعار (۶) مسلسل غزلیات (۷) مصرعہ سے مصرعہ پیدا کر لینا (۸) غزل میں علمی اصلاحات کا استعمال (۹) کلام کی اصلی ترتیب۔

(۱) تکرار الفاظ۔ یعنی ایک لفظ یا ایک سے زیادہ الفاظ کا ایک ہی شعر یا مصرعہ میں بالتکرار استعمال۔ یہ ہر ایک کا کام نہیں ہے۔ اس کے لئے بڑا سلیقہ اور خاص قدرت درکار ہے۔ تکرار الفاظ کلام کا سب سے بڑا حسن ہے۔ اور سب سے بڑا عیب بھی۔ یعنی اگر نبھ جائے تو سب سے بڑا حسن ہے۔ ورنہ سب سے بڑا عیب ہے۔ حضرت آزاد کو اس میں خاص کمال حاصل ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:-

کرے کیسی کی محبت مجھے شکار کرے　　　کرے کرے۔ نہ موت سے دوچار کرے
مشکلات عشق سے گھبرا نہ جانا چاہئے　　　مشکلات عشق کا مشکل کشا بھی عشق ہے
زندگی میں ترک شغل عشق کیونکر کیجئے　　　زندگی بھی زندگی کا مدعا بھی عشق ہے
اب آنکھوں کے آگے وہ جلوہ کہاں　　　اب آنکھیں اٹھانے سے کیا فائدہ
نہ سمجھ۔ مجھکو رائگاں نہ سمجھ　　　نہ سہی۔ تری کام کا نہ سہی،

گو یہ تمام اشعار لطافت زبان اور پاکیزگی جذبات کے لحاظ سے بھی نہایت بلند پایہ ہیں لیکن دیکھنے کے قابل یہ امر ہے کہ حسن تکرار الفاظ نے ان میں کس قدر سحر زاد دلچسپی پیدا کر دی ہے کہ زبان بار بار پڑھکر اور کان بار بار سنکر بھی سیر نہیں ہو سکتے۔

(۲) تقابل الفاظ۔ یہ بھی حضرت آزاد کی خصوصیات میں سے ہے۔ اور آپ کے کلام میں نہایت کثرت سے پایا جاتا ہے۔ مگر مختلف صورتوں میں کہیں تو یہ ایک ہی شعر کے ہر دو مصرعوں میں پایا جاتا ہے۔ اور کہیں دو دو شعروں میں۔ یعنی انگریزی نظموں کیطرح پہلے مصرعہ کا تقابل تیسرے مصرعہ سے اور دوسرے مصرعہ کا چوتھے مصرعہ سے۔ اور پھر یہ تقابل کہیں تو اکہرا ہوتا ہے اور کہیں دوہرا۔ اور تہرا اور کہیں اس سے بھی زیادہ۔ جس سے عجیب حیرت خیز کیف پیدا ہو جاتا ہے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں۔

اب کسی کی جستجوئیں فرض ہیں تا زیست فرض　　　اب کسی کی آرزوئیں دین و ایماں ہو گئیں
ادھر دل طول حسرت سے بحال زار شیون میں　　　ادھر میں دل کی اس گت سے پریشانی میں الجھن میں
تمہارا رنج الفت ہے کہ طاری ہے مرے دل پر　　　تمہارا درد الفت ہے کہ ساری ہے مرے تن میں
جلا دے خرمن حسرت دکھا کر جلوہ تاباں　　　بجھا دے آتش فرقت لگا کر آگ تن من میں

ایک قومی نظم کے دو شعر اور ملاحظہ ہوں جنہیں تقابل اور بھی شدت سے پایا جاتا ہے۔

چڑھے اور ہر طرف اعدا کی چڑھتی فوج کو روکا　　　بڑھے اور جنگ کے دریا کی بڑھتی موج کو روکا
وہ ضربیں دیں کہ دشمن ہر جگہ قائل نظر آیا　　　وہ جنگیں کیں کہ جرمن صلح کا سائل نظر آیا

باوجود اس حیرت خیز التزام کے نہ روانی کلام میں سر مو فرق آیا اور نہ جوش جذبات میں ذرہ بھر کمی واقع ہوئی بلکہ دہ چند لطف کلام بڑھ گیا۔

(۳) ترصیع۔ حضرت آزاد صنائع و بدائع کی پابندیوں کو صفائی و سادگی بیان کے مقابلہ میں بالکل لغو تصور کرتے ہیں۔ مگر قاآنی کی طرح صنعت ترصیع سے آپ کی طبیعت کو خاص مناسبت ہے اور جا بجا آپ کا کلام اسکی گلکاریوں سے مزین نظر آتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

محبت میں بقا میری۔ محبت میں فنا میری　　　محبت ابتدا میری۔ محبت انتہا میری
گلا ناحق، جو ناخوش ہو۔ کوئی خوش ہو تو کیا خوش ہو　　　ادا سے غم ادا میری۔ صدا سے غم صدا میری
تری الفت مرا مذہب تری عظمت مرا مشرب　　　شریعت بھی جدا میری۔ طریقت بھی جدا میری

ظاہر ہے کہ بیکس ہوں۔ ثابت ہے کہ بے بس ہوں　　　جو ظلم کیا ہوگا۔ برداشت کیا ہوگا

بیدل بھی ہو شیداں بھی شناکی بھی ہے نازاں بھی
جو داغ دیا ہو گا۔ دلچسپ دیا ہو گا ؎

فصلِ بہار آئی ہے۔ نذر کو پھول لائی ہے
لو تمہیں پھول نذر ہیں۔ بہرِ قبول نذر ہیں

مطربِ نغمہ کار ہو۔ ساقیٔ بادہ بار ہو
سرخوشیٔ خمار ہو۔ کیف وصالِ یار ہو

نامِ خدا جدھر گئے۔ دل میں اُتر اُتر گئے
خنجرِ آبدار ہو۔ دشنۂ آبدار ہو

کون جگر بکف رہے۔ کون ترا ہدف رہے
کون امیدوار ہو۔ کون ترا شکار ہو

پھول نثار کیوں نہ ہوں۔ ٹوٹ کے ہار کیوں نہ ہوں
شاہدِ گلعذار ہو۔ غیرتِ صد بہار ہو

دیکھئے یہ تمام اشعار جذبات لطیفہ سے لبریز ہونے کے علاوہ صنعت ترصیع کی۔ اور صنعت ترصیع سے مالا مال ہونے ساتھ لطافت زبان اور رنگینی بیان کی کیسی نادر مثالیں ہیں۔ اور پھر ان سب خوبیوں پر نشان زدہ اشعار کی دلکش اور حیرت فزا تکرار الفاظ مستزاد ہے۔

(۴) ٹکڑے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کے کلام میں جابجا چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اور جملے پائے جاتے ہیں۔ یعنی اکثر اشعار چھوٹے چھوٹے اور کئی کئی دلکش ٹکڑوں سے مرکب ہیں۔ جنہوں نے کلام کی دلچسپیوں میں بیحد اضافہ کر دیا ہے۔ ایک حمدیہ غزل کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

بڑا کہنا تجھے شایاں۔ خدا کہنا تجھے زیبا
بڑائی بھی ترا حصّا۔ خدائی بھی ترا حصّا

تری ذات اطہر و اقدس۔ تری شان ارفع و اعلیٰ
قیود فہم سے باہر۔ حدود وہم سے بالا

امید سو وہ مفقود۔ ارمان سو وہ معدوم
اے وائے دلِ مرحوم۔ صد وائے دلِ مرحوم

طالب ہوں مگر ناکام۔ سائل ہوں مگر محروم
تقدیر مری تقدیر۔ مقسوم مرا مقسوم

اب دل کی نہ کچھ پوچھو۔ اب اس کا خدا حافظ
مانوس نہ کچھ مایوس۔ مسرور نہ کچھ مغموم

وہ کمالِ کرم۔ وہ غایتِ قرب
وہ وصالِ بہم۔ وہ راز و نیاز

دیکھئے ان تمام اشعار میں چھوٹے چھوٹے متعدد ٹکڑے کس قدر لطف زا اور کیف افزا ہیں۔ اور ان کی

بدولت کلام کی دلکشی کہاں سے کہاں پہونچ گئی ہے۔ اور آخری شعر تو تقابل الفاظ کی اک نایاب مثال ہونے کے علاوہ تاثیراتِ لطیفہ میں ڈوبا ہوا ہے۔

(۵) مسلسل اشعار۔مسلسل اشعار لکھنا بھی آپ کی خصوصیات میں داخل ہے۔ اور آپ کی اکثر غزلوں میں کم و بیش پایا جاتا ہے۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ یعنی کہیں تو ایسا ہے کہ پہلے دو اشعار میں ایک ہی مضمون مسلسل نظم کر دیا ہے اور دوسرے دو اشعار میں دوسرا۔ اور تیسرے دو اشعار میں تیسرا۔ وقس علیٰ ہٰذا۔ اور کہیں ایک ہی مضمون کئی کئی شعروں میں آخر تک مسلسل چلا جاتا ہے۔ نمونے ملاحظہ ہوں۔

کسی دن کھلا روئے زیبا دکھا — چھپا کر دکھانے سے کیا فائدہ
اُٹھا۔ پردۂ شرم بیجا اُٹھا — حقیقت چھپانے سے کیا فائدہ

بس اے فتنۂ قامت یار بس — بہت سر اٹھانے سے کیا فائدہ
بس اے جلوۂ محشر یار بس! — بہت قہر ڈھانے سے کیا فائدہ

تھم اے گردش چشم مخمور تھم — پیا پے پلانے سے کیا فائدہ
تھم اے بارشِ بادۂ نور تھم — دما دم چھکانے سے کیا فائدہ

ان اشعار کے مستانہ جذبات۔ ان کی پر کیف تراکیب اور ان کا مخصوص انداز بیان مخصوص طور پر قابل داد ہے۔

لو وہ اُس مہرو نے قصد جلوہ آرائی کیا — لو وہ غیبی طلعتیں انوار افشاں ہو گئیں
لو وہ اس گلرو نے عزم رنگ پیرائی کیا — لو وہ فطری زینتیں الوان در الوان ہو گئیں
پھر کوئی خورشید رو بالائے مہتابی چلا — پھر مہ و اختر کی قندیلیں فروزاں ہو گئیں
پھر کوئی رشک چمن سیر گلستاں کو اُٹھا — پھر گلستاں کی بہاریں گل بداماں ہو گئیں

ان چاروں اشعار میں علاوہ دیگر اوصاف کے دیکھنے کے قابل یہ امر ہے کہ ان میں رنگ غالب کس قدر کھلا جھلک رہا ہے۔ آپ اکثر رنگ غالب میں اشعار کہہ جاتے ہیں۔ اور پھر لطف یہ کہ اپنے مخصوص انداز کا سر رشتہ بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔

نہ وہ ہم ہیں۔ نہ وہ دل ہے۔ نہ حسرت ہے۔ نہ ارماں ہے
وفورِ نامرادی ہے۔ ہجومِ یاس و حرماں ہے

امنگیں ہیں سو افسردہ طبیعت ہے سو پژمردہ
نہ دلچسپی کی صورت ہے نہ خوش وقتی کا ساماں ہے

کبھی جو دل نویدِ وصل سے مسرور رہتا تھا
وہ اب انجامِ الفت کی تصور سے ہراساں ہے

(باقی)

محمد اکبر خاں حیدری، ایم آر اے ایس۔
(پروفیسر السنہ مشرقیہ)

نوائے سرفروش

تیری نگاہ ناز ہے، بزم میں نشتر فروش
آئینے ہیں شکستہ دل اور ہے شمع سر فروش

ختم ہوئی متاعِ نور، آئیں کلیم کیا ضرور
بند ہوئی دکانِ طور، کوئی نہیں شرر فروش

اہل ہوس کو جوش ہے، رخصت عقل و ہوش ہے
ہر کوئی دلفروش ہے، ہر کوئی ہے جگر فروش

مول لیا ہے درد دل، ذوق نگاہ بیچکر
جلوہ سرائے یار میں، میں ہی تو ہوں جگر فروش

بارگہ بہار میں، سب کو ہیں خدمتیں سپرد
بادِ صبا ہے گلفروش، ابر چمن گہر فروش

نقدِ دعا کے زعم میں جانے لگی فغاں کہاں؟
کہدو! کہ بامِ عرش پر کوئی نہیں اثر فروش

تیرا شباب خود نما، خالق صبح و شام ہے
زلف تری شب آفریں، تیری جبیں سحر فروش

لطف خلش ہو ختم کیوں، زخم جگر کو چھیڑ دوں
نشترِ غم خرید لوں! ہے کوئی نیشتر فروش؟

ساغرؔ کشتۂ وفا خلق میں نام کر گیا
معرکۂ وفا میں پھر کوئی ہوا نہ سرفروش

ساغر نظامی (علیگڈھی)

اُردُو زبان

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

فصیح الملک (مرحوم) نے شعر مندرجۂ عنوان میں نرا شاعرانہ ادّعا ہی نہیں کیا۔ بلکہ ان لوگوں کیلئے جنہیں اردو زبان سے عقیدت ہے، اور جو چاہتے ہیں کہ تمام ہندوستان میں اردو بولی جائے، ایک نہایت بیش بہا نصیحت بھی فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ تمام ہندوستان میں جو زبان مقبول خاص و عام ہوسکتی ہے، وہ داغ کی اردو ہے" یا بالفاظ دیگر یہ کہ "اگر اردو کو تمام ہندوستان کی زبان بنانا چاہتے ہو تو داغ کی سی سلیس عام فہم اور بامحاورہ زبان لکھا کرو۔"

کہنے کو تو عام فہم اور بامحاورہ اردو لکھنا بڑی آسان بات ہے مگر جو لوگ زبان کے نبض شناس ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ اپنے خیالات کو کسی زبان میں بلا تکلف ادا کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ "کسی زبان میں" میں نے اس واسطے کہا۔ کہ انسان بغیر بولنے کے بھی اپنے خیالات ظاہر کرسکتا ہے مثلاً "ایک گونگا آدمی اپنے ضروری مطلب کو اشاروں کے ساتھ ادا کرتا ہے" مگر اس کے اشارے کو ہم زبان نہیں کہہ سکتے۔

پس زبان کے لئے دو باتیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ وہ ہر ایک قسم کے خیالات و جذبات کے ادا کرنے کی استطاعت رکھتی ہو۔ دوسرے یہ کہ ایک ہی مطلب کے اظہار کے لئے مختلف اسالیب کی وسعت اس میں موجود ہو۔

کسی زبان کو اوج کمال پر پہنچنے کے لئے تین منزلیں طے کرنی پڑتی ہیں۔

پہلی منزل میں زبان اپنے ایام طفولیت میں ہوتی ہے۔ اور اسقدر طاقت نہیں رکھتی کہ بلند مضامین اور عالی خیالات کا اظہار کرسکے۔

ہندوستان میں جب برہمنوں نے سنسکرت کو "شاہی زبان" کا تاج پہنایا، اور اُس کی

بول چال کو محض شاہی محلات میں محصور کر دیا تو بھارت ماتا کے مختلف حصوں میں مختلف پراکرتیں پیدا ہوگئیں جن میں پبلک اپنے روزمرہ کے خیالات کا اظہار کرتی تھی۔ مگر شومیٔ قسمت دیکھو تو اس لئے معدوم ہوگئیں کہ وہ ابھی زبان کے درجہ تک نہ پہنچی تھیں اور سنسکرت کو تکبر کی یہ سزا ملی۔ کہ جب سلطنت گئی تو ساتھ ہی زبان بھی چلدی۔ اصل بات یہ ہے کہ زندہ زبان وہ ہوتی ہے جو راجہ سے لیکر پرجا تک بولی جاے۔

دوسری منزل میں زبان کو سوسائٹی کی بڑھتی ضرورتوں۔ قوموں کے باہمی میل جول ترقی تہذیب و شائستگی کی وجہ سے ایک قسم کی وسعت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اور چونکہ "ضرورت ایجاد کی ماں" ہے۔ اس لئے لوگ اس فکر میں ہوتے ہیں کہ انکی زبان میں بھی ایسے ہی مطلب ادا ہو سکیں۔ جیسا کہ ان لوگوں کی زبان میں ہو سکتے ہیں جن سے ان کو دن رات پالا پڑتا ہے یہی سبب ہے کہ اس وقت اس زبان میں دوسری ہمسایہ زبانوں کے الفاظ بھرتی ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ دور زبان کے لئے بڑی ترقی کا موجب ہوتا ہے۔ مگر چونکہ ہر گل کیساتھ خار ہوتا ہے اس لئے اس دور میں زبان کے لئے بڑا خطرہ بھی لاحق ہوتا ہے۔ جسکی تفصیل ہم آگے چلکر بیان کرینگے۔

تیسری منزل میں زبان اپنے اوج کمال پر پہنچتی ہے اور پوری طاقت و قدرت حاصل کر لیتی ہے۔ اس دور میں زبان تمام انسانی خیالات کو ہر ایک قسم کے مطالب اور تمام دلی جذبات کو بہمہ وجوہ ادا کرنے پر قادر ہوتی ہے۔ اس وقت اسے اپنی ہمسایہ زبانوں کی استمداد کی ضرورت نہیں رہتی۔ مختصر یہ کہ اس دور میں زبان کمال ظاہری و باطنی سے آراستہ و پیراستہ ہوتی ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اردو زبان اس وقت کون سے دور میں ہے۔ بعض ہموطنوں کا خیال ہے کہ اردو میں ابھی وہ صلاحیت پیدا نہیں ہوئی کہ وہ موجودہ سوسائٹی کی ضرورت کو پورا کر سکے۔ یہ خیال کسی قدر کوتاہ بینی اور کم واقفیت پر مبنی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو زبان اپنی پہلی دو منزلیں طے کر چکی ہے اور اس کا قدم خدا کے فضل سے اب تیسرے دور میں ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ اردو کا ہیولا برج بھاشا تھا کیونکہ قدیم ہندوستان میں عوام الناس کی زبان بھاشا تھی مگر جب ایرانیوں کی آمد و رفت ہندوستان میں ہوئی تو لازمی طور پر برج بھاشا

فارسیت کا رنگ اختیار کرنا شروع کیا۔ اور دونوں زبانوں کے ملاپ سے جو بولی پیدا ہوئی وہ اردو کے نام سے موسوم ہوئی۔

چونکہ پہلے یہ زبان جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے محض بولنے میں ہی آتی تھی۔ یعنی عوام الناس صرف اپنے روزمرہ کے معاملات اس میں طے کرتے تھے اور کوئی علمی تصنیف نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے اُس وقت کی زبان کا کوئی نمونہ پیش کرنا صرف مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے۔ ہاں دوسرے دور میں جب کہ فارسی عربی کی روح بھاشا کے قالب میں پھونکی گئی۔ تو اردو میں کسی قدر وسعت ہوئی۔ اور وہ بجائے بولنے کے لکھنے میں رواج پانے لگی۔ موجودہ اردو زبان اپنی ہستی کے لئے فارسی اور عربی کی بہت کچھ مرہون منت ہے۔ کیونکہ اگرچہ وہ بھاشا سے پیدا ہوئی ہے۔ مگر فارسی اور عربی نے اس کو اپنی گود میں کھلایا ہے۔

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ دوسرا دور جسمیں کوئی زبان دوسری ہمسایہ زبانوں کے الفاظ اختیار کرتی ہے۔ اس زبان کے لئے بڑی ترقی اور توسیع کا موجب ہوتا ہے۔ مگر ساتھ ہی ایک خطرہ بھی رہتا ہے ترقی کی وجہ تو صاف ہے کہ دوسری زبانوں کے سیکڑوں الفاظ اس میں داخل ہو جاتے ہیں اور اسیطرح وہ بلند اور نازک مضامین جن کا ادا کرنا پہلے اس کے احاطۂ قدرت سے باہر تھا اس میں ادا ہو سکتے ہیں۔ مگر خطرہ یہ ہوتا ہے کہ زبان کی قدرتی سادگی پر تکلف اور بناوٹ کی رنگت چڑھ جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سننے والے کے دل پر ایسا اثر نہیں ہوتا جیسا بولنے والا پیدا کرنا چاہتا ہے۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ اردو کے بعض انشا پرداز جنکی زبان پر فارسی، عربی یا کوئی دوسری زبان اپنا بہت گہرا اثر رکھتی ہے ایسی اردو لکھتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فارسی یا دوسری زبان کا سوانگ بھر رہے ہیں۔ مثال کے طور پر ہم ایک فقرہ سید انشا کا لکھتے ہیں " ابتدائے سن صبا سے تا اوائل ریحان اور اوائل ریحان سے الی الآن اشتیاق مالایطاق تقبیل عتبۂ عالیہ نہ بحدے تھا کہ سلک تحریر و تقریر میں منتظم ہو، لہذا بے وسیلہ و بے واسطہ حاضر ہوا ہوں"۔

ہم بلا خوف و تردید کہہ سکتے ہیں کہ اس فقرہ سے سامع کے دل میں خاک اثر پیدا نہیں ہوتا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ سید انشا نے بھی یہ فقرہ اثر پیدا کرنے کے لئے نہیں لکھا بلکہ محض اپنی قادر الکلامی

اور عربی فارسی کے الفاظ پر ایک وسیع عبور رکھنے کا اظہار کیا ہے۔ اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ سید انشا جیسے شیریں مقال سخنور کی خوردہ گیری کر رہے ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ کسی زبان کے دوسرے دور کے مصنفین اپنا کمال اسی میں سمجھتے ہیں کہ دوسری زبانوں کے الفاظ اپنی زبان میں کھپائیں یا اور زبانوں کے اسالیب تشبیہات اور استعارے برتنے لگیں۔ انگریزی زبان۔ جو آجکل شاہی زبان ہے، اسپر بھی یہ زمانہ گزر چکا ہے۔ انگریزی داں حضرات جانتے ہیں کہ علم و ادب کی لہر جب یونان اور اٹلی سے انگلستان کے کناروں تک پہنچی، تو خالص انگریزی زبان میں ایک طوفان بپا ہو گیا یونانی حکمت اور اطالوی لٹریچر انگریزی میں باتیں کرنے لگے ہزاروں کتابیں ایسی لکھی گئیں کہ جن کا ماخذ فرنچ اطالین اور یونانی حکایات و روایات ہیں۔ یہاں تک کہ شکسپیر کے ڈرامے بھی اکثر انہیں زبانوں کی پرانی داستانوں سے لئے گئے ہیں۔ مگر شیکسپیر کا کمال یہی ہے کہ اپنی قوت متخیلہ اور لطافت زبان سے فرسودہ ہڈیوں میں نئی جان ڈالدیتا ہے۔

یہ سب کچھ ہوا، اور زبان میں یہ وسعت ہوئی کہ لاکھوں نئے الفاظ انگریزی میں شامل ہو گئے ہزاروں جدید اسالیب اور انوکھی ترکیبیں بندش ہونے لگیں اور سیکڑوں عجیب غریب محاورے ہاتھ آگئے مگر ساتھ ہی کلاسیکل سکول کی بنیاد بھی پڑ گئی جسکے ہاتھ سے انگلش لٹریچر نالاں ہے کلاسیکل دور کے مصنفین کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ ہر ایک مطلب کو نہایت تکلف اور بناوٹ سے ادا کرتے، ادق اور مشکل الفاظ کے استعمال کو اپنے لئے مایہ ناز سمجھتے۔ اور لفظی رعایتوں کی خاطر اصل مقصد کو پس پشت ڈالدیتے ان کی تحریر پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے نہایت محنت او . ماغ سوزی سے اسکو لکھا ہے، مگر دل پر ذرا بھی تو اثر نہیں ہوتا۔

آخر یہ دور ایک دوسرے دور سے بدل گیا جس کا نام رومینٹک ہے۔ انگریزی زبان آجکل اسی دور میں ہے اور اس وقت کے انگریز مصنفین کا بڑا اصول یہی ہے کہ ع

وہ بات ہو زباں پہ کہ دل میں اثر کرے

حقیقت یہ ہے کہ زبان اگر حرف تاثیر سے خالی ہے تو زبان نہیں بلکہ بے اثر الفاظ کا مجموعہ ہے، اب سوال یہ ہے کہ تاثیر کیونکر ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اثر پیدا کرنے کے لئے ایک ہی گر کارگر ہو سکتا ہے۔ کہ بجائے تکلف اور بناوٹ کی بلند پردازیوں کے سیدھے سادھے طریق پر

اظہار اصلیت کیا جائے۔ اور مبالغہ اور دور از قیاس تشبیہات کی جگہہ اصل اور حقیقی صفات کا ذکر ہو۔ اور استعاروں کے استعمال میں اسقدر انہماک نہ ہو کہ انکی تہ میں اصلی مقصد جگنو کیطرح کہیں چمکا اور کہیں غائب۔ فصاحت اس کا نام نہیں کہ سادی طرز ادا کو چھوڑ کر انسان شوکت الفاظ، تشبیہات، اور عجیب استعاروں کی تلاش میں دوڑا دوڑا پھرے، بلکہ فصاحت اسکو کہتے ہیں کہ جو خیال، جو جذبہ، جو مضمون بیان کرنا مطلوب ہے، اُسکو اس انداز سے بیان کیا جائے کہ الفاظ کے آئینہ میں اسکی ہوبہو تصویر کھنچ جائے۔ اور سامع کے دل پر ایک کیف طاری ہو جائے ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ یہ بات اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب ہم تکلفات اور مبالغہ کی راہوں سے بچکر اپنے مقصود کو ایسی قدرتی سادگی اور بے ساختگی سے ادا کریں کہ سننے والا یہ سمجھے کہ وہ الفاظ ہمارے منھ سے سوچ بچار کے بغیر نکل پڑے ہیں۔ مثال کے طور پر ہم یہاں دو استادوں کے دو شعر لکھتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ تکلف تاثیر کا جانی دشمن ہے۔ اور سادہ پن اور بے ساختگی وہ چیز ہے کہ اثر آگر خود اُن کے قدم لیتا ہے۔

میر

سرہانے میرؔ کے آہستہ بولو　　　ابھی وہ روتے روتے سو گیا ہے

سودا

بالیں پہ جو سودا کے اٹھا شور قیامت　　　خُدام ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے

دونوں استادوں نے تقریباً ایک ہی مضمون باندھا ہے، مگر طرز ادا میں بہت فرق ہے میرؔ کا انداز نیچرل اور بے ساختہ ہے۔ اسیلئے اُن کا شعر ایسا تاثیر میں ڈوبا ہوا ہے کہ ایکدفعہ تو سننے والا انکی بے کسی اور کسمپرسی پر ضرور آنسو بہائے گا۔ اسکے خلاف سودا کے تلاش مضمون شوکت الفاظ اور جدت طبع کی ہر ایک داد دے گا، مگر دل پر خاک اثر نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح عاشق کی گریہ وزاری کا مضمون ایسا پیش پا افتادہ ہے کہ ہزاروں شعرا کی جولانئے طبع کا شکار ہوا ہے، جنہوں نے اس میں الگ الگ جدتیں پیدا کی ہیں، مگر حضرت میر کے یہاں ایسی خوش اسلوبی اور بے ساختگی سے بندھا ہے کہ اس سے زیادہ متصور نہیں۔

اٹھو میر اشکوں کو مژگاں سے پونچھو　　　تو کب تک یہ موتی پروتا رہے گا

جو لوگ میر انیس اور مرزا دبیر کے کلام کو ناقدانہ نظر سے دیکھنے کے عادی ہیں ان سے پوشیدہ نہیں کہ ان دونوں حضرات میں بھی میر اور سودا کی نسبت ہے۔ مثلاً دبیر

تحتِ قدم والدہ فردوس بریں ہے

انیس — ع کہتے ہیں ماں کے پاؤں کے نیچے بہشت ہے۔ دبیر کی شوکت الفاظ اور بندش قابل داد ہے۔ مگر یہ الفاظ کسی ہندوستانی کے منہ سے بے ساختہ نکلے ہوے معلوم نہیں ہوتے۔ بلکہ اگر میرزا صاحب "ہے" کی جگہ "است" لکھدیتے تو سارا مصرعہ فارسی کا تھا۔ برعکس اس کے میر انیس کے مصرعہ میں ایسی قدرتی سادگی ہے کہ معلوم ہوتا ہے میر صاحب محض ایک بات کہنی چاہتے تھے۔ مگر الفاظ خودبخود ایک مصرعہ کی صورت میں موزوں ہو گئے۔ اور یہی وجہ ہے کہ میر انیس کا کلام تاثیر سے لبریز ہے۔ مندرجۂ بالا بیان سے ہمارے ناظرین سمجھ گئے ہوں گے کہ کلام میں اثر پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے مدعا کو نیچرل اور سادے سے اسلوب میں ظاہر کریں۔ اور یہ اصول نظم ونثر دونوں پر حاوی ہے۔ سید انشا کا فقرہ جو ہم لکھ آئے ہیں جسقدر بناوٹ اور تکلف پر مبنی ہے۔ اسی قدر تاثیر سے مُعرّا ہے۔ اردو نثر میں سادگی پیدا کرنے کا سہرا مرزا غالب کے سر ہے جنھوں نے اپنے مکتوبات میں طرے دار القاب کو خیرباد کہکر اپنے احباب کو سادے الفاظ میں مخاطب کیا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے اردو معلیٰ اردوے معلیٰ ہی ہے۔ نثر نگاروں میں سید مرحوم کا پایہ بھی کم نہیں۔ قومی خدمات کے علاوہ جو خدمت انہوں نے زبان اردو کی کی ہے وہ قابل تحسین ہے۔ مگر اردو نثر کی تاریخ میں جو نام کہ ہمیشہ آب زر سے لکھے جائیں گے وہ مولوی محمد حسین صاحب آزاد اور مولینا نذیر احمد صاحب دہلوی کے اسماے گرامی ہیں۔ آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ سادگی میں رنگ بھرتے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ بناوٹ اور تکلف کا نام نہیں۔ استعارہ اس خوبی سے برتنا چاہتے ہیں کہ اسکے آئینہ میں اصلی تصویر کا رنگ خواہ کیسا ہی پھیکا کیوں نہ ہو روشن نظر آنے لگتا ہے۔ کلام میں ایسی روانی ہے کہ فقرے قلم سے خودبخود نکلتے جاتے ہیں آمد کا یہ حال ہے کہ اچھوتے سے اچھوتے مضمون سوجھتے ہیں۔ تاثیر کی یہ کیفیت ہے کہ جو فقرہ لکھتے ہیں دل پر جا بیٹھتا ہے طرہ اس پر یہ ہے کہ زبان میں فارسی اور عربی الفاظ کی بھرمار نہیں۔ ہمارے خیال میں موجودہ زمانے کے اردو مصنفین کو

انہیں صاحبوں کا تتبع کرنا چاہیئے - اور جہاں تک ہو سکے سادہ اور نیچرل اصولوں کو اختیار کرنا چاہیئے تاکہ اردو زبان تمام ہندوستان کی عالمگیر زبان ہو سکے ⁂

محمد یونس سعد

افادات شاد

مری آہ دشمن کا گھر ڈھونڈھتی ہے — اثر آج یہ بے اثر ڈھونڈھتی ہے
ملادے کوئی صبح محشر سے اسکو — مری شامِ غربت سحر ڈھونڈھتی ہے
محبت میں کچھ ایسے کھوئے گئے ہیں — ہمیں کو ہماری نظر ڈھونڈھتی ہے
نہ اس دل کو ہے گنج و زر کی تمنا — نہ یہ آنکھ لعل و گہر ڈھونڈھتی ہے
جھکائے ہوئے سر ضعیفی ہماری — جوانی کو آٹھوں پہر ڈھونڈھتی ہے
تمنائے دل ہے کوئی یہ تو پوچھے — کسے ڈھونڈھتی ہے کدھر ڈھونڈھتی ہے
ابھی دیر میں تھی ابھی ہے حرم میں — کسے جا بجا یہ نظر ڈھونڈھتی ہے
تجسس ترا ہے ہر اک اہل دل کو — تجھے چشم اہل بصر ڈھونڈھتی ہے
پتا جسکا اب تک نہ پایا کسی نے — اسے بیخودی دربدر ڈھونڈھتی ہے
تپش کی ہوس ہے مرے دردِ جگر کو — تپش میرا دردِ جگر ڈھونڈھتی ہے

جو اے شاد اہل کرم ہیں جہاں میں
فقیروں کو ان کی نظر ڈھونڈھتی ہے

(ہز اکسلنسی مہاراجہ کشن پر)شاد

پیرس وانونی

جب شہر الیاس (ٹرائے) کی شان وعظمت کا ستارہ اپنی کامل قوتِ التہاب سے نگاہوں کو خیرہ کر رہا تھا، اور اس کے دائرہ اقتدار و اثر میں نہ صرف ایشیائے کوچک بلکہ ساحل کے تمام جزائر بھی داخل تھے، شاہ پریام کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا، جس کا نام پیرس رکھا۔ لیکن پیرس کی پیدائش سے پہلے ایک آرکیل نے پیشین گوئی کی تھی کہ پریام کی بیوی حقوبہ کے ایک جلتی ہوئی مشعل پیدا ہوگی۔ اس لئے پیدائش کے چند روز بعد پیرس کو شہر سے دور اک خوفناک جنگل میں اک چٹان پر اکیلا چھوڑ دیا گیا، اس غرض سے کہ وہ خطرناک مشعل سوزاں خود ہی بجھ جائے۔

اس جنگل میں ایک گڈریے کا گذر ہوا اور وہ پیرس کو اٹھاکر اپنی غریب جھونپڑی میں لے گیا۔ پیرس نے جس ماحول میں اپنے بچپن کے دن گزارنا شروع کئے وہ ضرور دہقانی تھا، لیکن اس کے باوجود اس کی رگوں میں اپنے زمانہ کی بہترین تہذیب کا شاہانہ خون موجود تھا اور اس وجہ سے بچپن کا ہر سال اسکے حسن و قوت میں اک دلکش اضافہ کرتا تھا اور گڈریہ روز بروز پیرس کو دیکھکر اک پوشیدہ مسرت و غرور محسوس کرتا تھا۔

پیرس جب جوان ہوا تو وہ اک قوی اور مضبوط آدمی تھا۔ لیکن اگر دیوتاؤں نے اسے اس زمانہ کے تمام انسانوں سے زیادہ طاقتور نہیں بنایا تھا تو اسے طاقت سے اک زیادہ قوی اور فاتح کل قوت کا سب سے زیادہ حصہ عطا کیا تھا۔ یعنی پیرس نہایت حسین تھا، ایسا حسین کہ گڈریا بعض اوقات اسے دیکھکر مرعوب ہو جاتا تھا اور وہ اک خوف پنہاں محسوس کرتا تھا کہ خدا معلوم مستقبل اس کے لئے کون سے خطرات لیکر آتا ہے۔ پیرس کا انسانی مگر گداز و کشیدہ قد اس کا نہایت متناسب و قوی سینہ، اس کی سیدھی گردن، اس کا خود دارانہ طور پر ذرا پیچھے کو جھکا ہوا سر اس کا سیمابی چہرہ اور پھر ان تمام کے حسن سے زیادہ حسین آنکھیں — یہ چیزیں ایسی نہ تھیں کہ جنگل میں پیرس کے گرد وپیش اک مرئی کرہ حسن، اور غیر ذی روح اشیا میں بھی اک احساس اور اک

احساس اور اک ارتعاش نہ پیدا کر دیتی ہوں - اک روز پیرس تیر و کمان لئے کوہ اینڈا کے جنگل میں شکار کو گیا - اس کا سر اور شانے برہنہ تھے اس نے کئے پرند تو مارے لیکن اُسنے محسوس کیا کہ سب سے بڑا شکار جو اُس نے بے ارادہ کر لیا تھا وہ اس پہاڑ کی حسین نیم دیوی انونی تھی - پیرس کے تمنا خیز حسن نے انونی کے قلب میں بے شمار آرزوؤں کو زندہ کر دیا اور جب وہ اک ایسے انداز سے اُس کے قریب آگئی جو بہ یک وقت جسارت آمیز و حیا آگیں تھا تو پیرس نے اپنے کو زندگی میں پہلے وقت کسی دوسرے کا محکوم محسوس کیا - لیکن اسے اس تصور سے مسرت بھی حاصل ہوئی کہ اُس نے اک ایسی ہستی پالی ہے جو شریک زندگی ہونے کے قابل اور اُس کے شباب کی معترف ہے -

اس واقعہ کے بعد، گذرنے والے چند سال انونی اور پیرس کے لئے نہایت مسرور اور لذیذ تھے - انھوں نے یہ زمانہ اک ایسے خواب کی طرح گذارا جسکے عمقِ لذت و سحر میں انسان دنیا کی کرخت حقیقتوں اور اُس میں اپنی پُر رنج و محن حیثیت کو بالکل بھول جاتا ہے -

جب بہار اپنی جملہ دلفریب خصوصیتوں کے ساتھ ہر گوشۂ باغ میں حواس کو مسحور کر رہی ہو جب پھول پتوں کے حسین رنگ اور خیابانوں کا دلکش تناسب آنکھوں میں اک خمار کی کیفیت پیدا کر رہا ہو، جب ہوا کے ہلکے اور تمنا خیز جھونکے شامہ نواز ہوں، جب طیور کے فطرتی نغمات دل میں تجسس پیدا کر رہے ہوں، غرض جب یہ طوفان عطر و رنگ و نغمہ دماغ کو جھولے دے دیکر سُلا رہا ہو تو اگر اس حالت میں ایک گوشۂ باغ کو آگ لگجائے اور یہ آگ تمام باغ میں پھیل جائے طیور اڑ جائیں اور عطر و رنگ کی بجائے دھواں منتشر ہو جائے تو یہ ممکن نہیں کہ کیفیات باغ سے لذت اندوز ہونے والے کی شدتِ تاسف و حیرت کا اندازہ کیا جائے - انونی اک قلیل عرصہ ہی پیرس کی لذیذ معیت میں گذار سکی تھی، کہ اک واقعہ پیش آیا جس نے اُسے مسرت کے خواب سے چونکا دیا اور وہ حسین طلسم توڑ دیا -

گڈریے کا ایک بیل کسی روز الیاس کی طرف چلا گیا اور پیرس اس کی تلاش میں وہاں گیا شاہی راعی اتفاقاً اُسے بادشاہ کے بیلوں کے ساتھ جنگل سے ہانک لائے تھے اور جب پیرس اُس بیل کے لئے شاہی محل میں گیا تو حقوبہ نے اُسے وہ انگشتری پہنے دیکھا جو اس نے اپنے

(۳)

پیرس کی وفات کے بعد الیاس کی شاہی باغ میں لکڑیوں کا اک انبار اُس کی نعش جلانے کے لئے طیار کیا گیا۔ انونی کو جو پیرس کی تلاش میں مصروف تھی اسکی خبر ہوگئی اور انانو نکو نہیں مگر دیوتاؤں کے بادشاہ ڈیوس کو ضرور معلوم ہوا کہ پیرس کی نعش کے ساتھ جل کر ایک نیم دیوی بچے کے گلے میں جدائی کے وقت باندھ دی تھی۔ حقویہ نے اپنا بیٹا پہچان لیا، اس سے بغلگیر ہوگئی، وہ پیشین گوئی فراموش کردی گئی اور پیرس الیاس کی شاہی محل میں شہزادہ بن کر رہنے لگا۔ اور چند روز کے بعد ہیلن کے اشتیاق میں یونان کی طرف چلا گیا۔

(۲)

اے محبت فراموش، اے پتھر سے زیادہ سخت دل والے انسان، اے مجرم شباب، اے گنہگار محبت، اے زندگی کے مقدس ترین جذبات کی توہین کرنے والی ہستی، آج نو بارہ سال کے بعد کوہ آینڈا کی جانب کیوں آیا ہے؟ کیا تجھے توقع ہے کہ جیسے تو نے اس درجہ شدید فریب اور روحانی ایذا دی ، وہ اپنی آلہانہ قوت تیرے رحم کے اچھا کر دینے میں صرف کر سکتی ہے؟ تو آج محاصرۂ الیاس میں فلاک طیتس کے زہر آلود اور مہلک تیر سے زخمی اور مایوس ہو کر میرے پاس علاج کے لئے آیا ہے۔ تو اپنی اُس محبوبہ کے پاس کیوں نہیں گیا، جسکے لئے دس سال سے تو یونانیوں سے برسر جنگ ہے"

"انونی ..... انونی، اپنی گزشتہ محبت کا واسطہ، ان مقرر رسا عنوں کا......

پیرس یہ کہتا ہی رہا اور انونی پلٹ کر اپنے غار کے دروازہ میں داخل ہوگئی۔ اُس کی حافظہ میں اُن تمام مصائب کی یاد عود کر آئی تھی جو اُس نے پیرس کی بے وفا غیر حاضری کے دوران میں سہے تھے اور وہ رنج و غصہ میں غار کے فرش پر گر پڑی اور گرد و یادیں لوٹنے لگی۔

پیرس نے مایوس ہو کر جانے کا ارادہ کیا اور اُس کے ملازموں نے اس کی پالکی اُٹھائی اور الیاس کی جانب روانہ ہو گئے۔

عورت آخر عورت ہے۔ اس کے قلب پر ثبت ہونے والا پہلا نقش محبت بہ مشکل محو ہو سکتا ہے انونی کا غم و غصہ فرو ہوا تو اپنے محبوب پیرس کے علاج کے لئے باہر نکلی، لیکن پیرس کہاں تھا؟

فوق الانسان آبادی میں گم ہوگئی۔

لکڑیوں کا انبار خاکستر ہوگیا، بے رحم شعلے درختوں سے اونچے ہو کر جل بجھے۔ باغ کے اس بے نظیر غم و حسرت میں کوئی آواز نہ تھی، مگر طیور کے غمگین نغمات اور بہنے والے پانی کا ہموار و غمناک تال سُر۔

محمد منیر خان غیرت ڈائریکٹر نظام کالج بیگرین

غزل

عکسِ جمالِ یار کی تاثیر دیکھنا — دل نگیا ہے حسن کی تصویر دیکھنا

آئی ہے پھر چمن سے ہوائے جنوں نواز — شاید ہے پھر نصیب میں زنجیر دیکھنا

پھر دل کو ہے کشاکشِ حسرت سے واسطہ — پھر ہوں میں وقفِ کاوشِ تدبیر دیکھنا

پھر ابتلائے عشق کی جرأت ہوئی مجھے — پھر ہے فغاں کو حسرتِ تاثیر دیکھنا

پھر جذبِ آرزو ہے دلِ بیقرارِ شوق — پھر ہے خروشِ نالۂ شب گیر دیکھنا

پھر عجزِ شوق نے انہیں مغرور کر دیا — پھر تمکنت ہوئی ہے عناں گیر دیکھنا

پھر کشمکش سے ضبط کی گھبرا چلا ہے دل — پھر چاہتا ہوں آہ کی تاثیر دیکھنا

پھر رو رہا ہوں عشرتِ ماضی کی یاد میں — پھر ہوں اسیرِ گردشِ تقدیر دیکھنا

پھر ہو رہی ہے اُن سے تصور میں گفتگو — پھر ہوں میں محوِ لذتِ تقریر دیکھنا

قسمت میں میری کوئی خوشی کی گھڑی بھی ہے — اے واقفانِ لوحِ تقدیر دیکھنا

رزمی ہے دل میں پھر ہوسِ امتحانِ شوق
پھر چاہتا ہوں جنبشِ شمشیر دیکھنا

سعید رزمی

ٹوٹے ہوئے دل

اُس کا دل ٹوٹ چکا تھا اور دل ٹوٹتے کچھ دیر بھی نہیں لگتی ذرا سا انکار ہوا اور ٹکڑے ہو گیا۔ کسی نے نگاہ غضب آلود سے دیکھا اور پاش پاش ہو گیا، لوگ کہتے تھے کہ اسے زہرہ سے محبت ہے زہرہ نے اس کا جواب نفی میں دیا۔ اور اس کا دل ٹوٹ گیا۔

دل کوئی دیکھنے کی چیز ہوتی تو دیکھی جاتی تاہم اسکی خوش طبعی جاتی رہی۔ اور وہ اب اداس رہنے لگا چہرہ روز بروز افسردہ اور پژمردہ ہوتا گیا، اُسکے نغمے مر گئے اُسکی زندہ دلی غائب ہو گئی اور وہ خوش باش شاعر سے خاموش شاعر بن گیا۔ ایک صبح لوگوں نے اُسے اس جنگل کے نزدیک دیکھا۔ جہاں وہ گھوما کرتا تھا، کسی نے چنداں پرواہ نہ کی، اور ناکام سودائیوں کی پرواہ کرتا ہی کون ہے۔

زمانہ گزرتا گیا۔ اور چند مہینوں کے قلیل عرصہ میں لوگ خاموش شاعر کو بھول گئے کبھی کبھی وہ بھی اتفاق سے اگر کہیں عشق و محبت کا تذکرہ چھڑ جاتا اور اُس کا نام آجاتا تو سننے والے ٹھنڈی آہیں بھر کر خاموش ہو جاتے اور کاروباری لوگوں کو فرصت ہی کب مل سکتی ہے کہ شکستہ دلوں کی نامرادی کی داستانیں کہتے پھریں ہوتے ہوتے وہ بالکل لوگوں کی یاد سے اتر گیا۔ اُسکی یاد دلوں سے محو ہو گئی۔ اُسکے شیریں نغمے فراموش ہو گئے۔ اس کا کلام گزشتہ زمانہ کی ایک فراموش یادگار بن گیا، دنیا سال بھر میں ہی اُسکی مایوسی کی کہانی بھول گئی۔ اور زہرہ کے جلوہ ریز حسن نے تو پرواہ بھی نہ کی۔ پروانہ خود بخود شعلوں کے آغوش میں گر کر جل مرے تو شمع کے حسن عریاں کا کیا قصور۔ اقلیم حسن کی فرماں روائی بیکسوں کی فریاد۔ اور دلِ زبوں کی چیخ پکار سے بے نیاز ہے۔ اسکا حق تھا کہ وہ اسکی التجاؤں کو پائے استغنا سے ٹھکرا دیتی۔ ایک آشفتہ حال سودائی جس کا تمام سرمایہ عمر چند ایک موزوں نغموں پر مشتمل ہو۔ سرکار حسن سے کیا توقع رکھ سکتا ہے۔ اس نے جو کیا خود کیا انجام سوچے بغیر کیا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ جو سلوک اُس سے ہوا۔ وہ اسی کا سزاوار تھا۔

اس عالم اسباب میں کئی ہیں جن کے دل ایسے سلوک سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ جگر توڑنے والوں کو پرواہ نہیں ہوتی۔ پھول کب بلبل کو مدعو کرتا ہے۔ اسکے حسن میں ہی دعوت کا راز مخفی ہے۔

وقت گزرتا گیا اور زہرہ کا حسن جاں سوز انسانی جانوں سے کھیلتا رہا۔ طالبان دید اشتیاق بھرے

دلوں سے آئے - اور ٹھنڈی آہیں بھرتے مایوس واپس ہوئے - بچہ اچھلتا ہے کہ روشن چاند کو اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے پکڑ لے - مگر چاند اسکی سادہ دلی پر مسکراتا ہے - زہرہ بھی دلدادگان محبت کی التجاؤں پر حقارت سے مسکرا کر منہ پھیر لیتی اور تعجب کرتی ہے کہ انسانوں کا یہ فرقہ کس قدر بے بس ہے -

ایک خوشگوار صبح وہ ابھی خواب ناز میں تھی کہ اسے ایک نغمۂ شیریں نے بیدار کر دیا - کوئی گا رہا تھا -

"اچھا ہوا کہ دل تہ تیغ جفا ہوا ۔ جھگڑا چکا - فساد مٹا - فیصلہ ہوا" - زہرہ نے سنا اور بے چین ہو گئی - نغمہ کچھ دیر تک فضا میں گونجا - اور گونج کر رہ گیا - مگر زہرہ اُس دلدوز صدا کو فراموش نہ کر سکی - ہر روز جب افق مشرق صبح کی سفیدیوں سے منور ہوتا تو وہ بیدار ہوتی اور اُس نغمہ کے انتظار میں بے قراری سے گھڑیاں گنتی - ہر روز وہ نغمہ بلند ہوتا - اور زہرہ کا بے چین دل اسکی شیرینی سے تسکین پاتا -

اب وہ مضمحل اور مغموم رہنے لگی اس کا دل اُن مشغلوں سے اکتا گیا - جو کبھی اُسکی تفریح کا باعث تھے - وہ خلوت پسند ہوتی گئی - اسکے حسن دل فروز کی سرخی زردی میں اور اُس کا تبسم سرد آہوں میں تبدیل ہو گئے لوگوں نے کہا - اور کون ہے جو ان کی زبان روک سکتا ہے "کہ زہرہ کا دل ٹوٹ گیا" - ایک دل پہلے بھی پامال ہو کر ٹوٹ چکا تھا -

اور اب شاعر خاموش کی یاد پھر تازہ ہونے لگی - زہرہ کے علاوہ کئی تھے جنہوں نے اس نغمہ کو صبح کی خاموشی کی وسعتوں میں حرکت کرتے سنا تھا - وہ کہتے تھے - ہو نہ ہو - یہ آواز اُسی شکستہ دل شاعر کی ہے جسے زہرہ کی بے اعتنائی نے مدت گذری خاموش کر دیا تھا - وقت گذرتا گیا زہرہ بے بس ہوتی گئی - اور چاہنے لگی کہ نغمہ کی صداؤں میں مل کر فنا ہو جائے - ایک دن نغمہ جب اسے تمام دنوں سے زیادہ شیریں معلوم ہوا - وہ تن تنہا اسکی تلاش میں چل دی - اسے تلاش میں ایسا دکھائی دیا کہ کوئی نور کے لباس میں ملبوس اسے اشارہ کرتا ہے وہ بڑھتی چلی گئی - حتی کہ جنگل میں داخل ہو گئی - وہاں ایک شکستہ جھونپڑی میں ایک نوجوان جوگی جسکا چہرہ طمانیت کے نور سے روشن تھا - بانسری بجا رہا تھا - جنگل کے جانور سر جھکائے خاموش کھڑے تھے - درخت وجد میں آکر جھوم رہے تھے - ندی کا پانی رقص کرتا دکھائی دیتا تھا اور فضا اس شیرینی سے معمور تھی جو ٹوٹے ہوئے دلوں کی صداؤں سے پیدا ہو کر دنیا کو تاثیر کے فیض سے مالا مال کر دیتی ہے - زہرہ مرعوب ہو گئی پھر ناگہاں جوگی نے سر اٹھایا اور وہ مسکرا دیا - اور بانسری اسکے ہاتھ سے گر پڑی - زہرہ بیخود ہو کر دوڑی اور یہ کہکر جوگی کے قدموں پر گر پڑی - "میرے شاعر میں تمہاری ہوں" - اسی دن ایک راہرو نے جھونپڑی میں ان دونوں کو بے حس و حرکت پایا - مگر کس طرح - بانسری ٹوٹی ہوئی پاس پڑی تھی جوگی کا چہرہ تبسم سے چمک رہا تھا اور اُسکے

معلومات

بارش کی قوت اندازہ کیا گیا ہے کہ بارش سے جو پانی زمین پر گرتا ہے وہ ۹۰ بلین (۹ کروڑ) گھوڑوں کی قوت رکھتا ہے، جس میں ۵۵ بلین گھوڑوں کی قوت کا پانی صرف کناڈا اور ولایات متحدہ امریکہ میں پایا جاتا ہے لیکن ساری دنیا میں صرف پانی کی قوت سے ۱۶ ملین گھوڑوں کی قوت کے برابر کام لیا جاتا ہے اور باقی قوت بیکار جاتی ہے۔ لیکن اب چونکہ پٹرول اور کوئلہ کی کمی روز بروز زیادہ محسوس کی جاتی ہے اس لئے لوگوں کو اس طرف توجہ ہوئی ہے اور خصوصیت کے ساتھ وہ ممالک جہاں پہاڑ زیادہ پائے جاتے ہیں اس طرف بہت متوجہ ہیں اور کوشش کر رہے ہیں کہ پانی کے ذخائر پہاڑوں پر قائم کئے جائیں اور وہاں حسب ضرورت آبشاریں جاری کر کے مختلف قسم کے کارخانے جاری کئے جائیں۔

یورپ کے نابینا جنگ کے بعد یورپ میں کثرت سے ایسے مدارس ہو گئے ہیں جہاں اندھوں کو مختلف حرفتیں سکھائی جاتی ہیں۔ وہاں اسکی اہمیت اس قدر بڑھتی جاتی ہے کہ وہ لوگ بھی جو ابھی نابینا نہیں ہوئے ہیں لیکن نزول ماء یا کسی دوسرے سبب سے زوال بصارت کا اندیشہ کرتے ہیں وہ پہلے ہی سے ان مدارس میں جا کر تعلیم حاصل کرتے ہیں تاکہ نابینا ہونے کے بعد معاش کی تنگی میں مبتلا نہ ہوں۔

حال ہی کا واقعہ ہے کہ نیویارک کے کسی مدرسہ میں ایک شخص پہونچا اور اسنے کہا کہ "میری بصارت سال کے اختتام تک زائل ہو جائے گی اسلئے قبل اسکے کہ میں نابینا ہو جاؤں مجھے کچھ سکھا دیجئے"۔ چنانچہ اسکو تعلیم دی گئی اور جب ایک سال کے بعد وہ نابینا ہوا تو اسکی تعلیمی حالت ایسی ہو گئی تھی کہ اسنے خود اندھوں کے لئے ایک مدرسہ قائم کر دیا۔

ایک ہی وقت میں مختلف کام قیصر ونپولین کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں مختلف موضوع پر مختلف تحریریں لکھا دیتے تھے، جسکی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ ایک ہی وقت میں یہ تحریریں نہیں لکھائی جاتی تھیں بلکہ مختلف خیالات سرعت کے ساتھ یکے بعد دیگرے ذہن میں آتے تھے جو ضبط تحریر میں لائے جاتے تھے لیکن سائنٹفک امریکن کے ایک نامہ نگار نے برلن میں ایک ایسی لڑکی کا ہونا ظاہر کیا ہے جو ایک ہی وقت میں دونوں ہاتھوں سے دو مختلف تحریریں لکھ سکتی ہے وہ ایک ہی وقت میں ایک ہاتھ سے پیانو بجاتی ہے اور دوسرے ہاتھ سے لکھتی جاتی ہے، اور اسپر طرہ یہ ہے کہ دونوں

... کے ساتھ منہ میں قلم دبا کر وہ ایک ہی وقت میں مختلف تحریریں مختلف زبانوں کی بھی لکھ سکتی ہے

بر[illegible] سنہ ۱۹۰۰ کی نمائش پیرس میں ایک متحرک پلیٹ فارم بنایا گیا تھا جو ہزاروں آدمیوں کو نمائش گاہ تک پہونچا دیتا تھا۔ یعنی تماشائی اس پلیٹ فارم پر کھڑے ہو جاتے تھے اور وہ نمائش گاہ کے دروازہ تک سب کو پہونچا دیتا تھا۔ لیکن اب نیویارک میں روزانہ استعمال کے لئے ایسے متحرک پلیٹ فارم بنانے کی تجویز ایک مہندس کے دماغ میں آئی ہے۔ نیویارک کے بعض مقامات ایسے ہیں جہاں لوگ کثرت سے آتے جاتے ہیں، چنانچہ ان کے لئے تین مختلف پلیٹ فارم (جو ۳، ۶ اور ۹ میل فی گھنٹہ کے حساب سے حرکت کرینگے) بنانے تجویز ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک پلیٹ فارم پر کرسیاں بھی ہونگی اور یہ تینوں پلیٹ فارم برابر برابر اس طرح حرکت کریں گے کہ ایک شخص اپنی خواہش کے مطابق ایک پلیٹ فارم سے دوسرے پلیٹ فارم پر جا سکیگا۔

گفتگو کرنے والا ڈورا سوئٹزرلینڈ کے ایک سائنس داں نے فونوگراف کے گلاسوں یا پلیٹ کے بجائے سیلولز کا باریک ڈورا یا دھاگہ ایجاد کیا ہے جس سے بالکل اسیطرح آواز پیدا ہوتی ہے جیسے تمام پلیٹوں یا گلاسوں سے یہ ڈورا ایک لہ پر جو فونوگراف سے بہت ملتا جلتا ہے چڑھا دیا جاتا ہے اور اس سے بولنے یا گانے والے کی آواز پیدا ہونے لگتی ہے۔ اس اختراع سے بڑی سہولت پیدا ہو گئی ہے اور بجائے خطوں کے لفافہ میں اپنی گفتگو اس ڈورہ پر نقش کر کے آسانی سے بھیج سکتے ہیں۔ اور مکتوب الیہ اس ڈورے کو فونوگراف پر چڑھا کر خط کا مضمون بہ آواز بلند سن سکتا ہے یہ بھی تجویز زیر غور ہے کہ ٹیلی فون کے ساتھ اس ڈورے کا استعمال کیا جائے تاکہ اگر کوئی شخص جو موجود نہیں ہے واپس آکر ان تمام پیغامات کو جو اس کے غیبت میں موصول ہو کر ڈوروں پر منقوش ہو گئے ہیں سن سکے۔

امریکہ کی دولت ذیل کے نقشے سے معلوم ہوگا کہ اس وقت امریکہ سب سے زیادہ دولت مند ملک ہے اور جس قدر سونا اسنے بنکوں میں جمع کیا ہے، اتنا فرانس، انگلستان، جاپان، اور اسپین، چاروں مل کر بھی فراہم نہیں کر سکے۔

امریکہ =	۶۳۰۴۵۹۰۰۰ گنی
فرانس =	۲۱۹۵۷۵۰۰۰ گنی
انگلستان =	۱۲۵۶۲۳۰۰۰ گنی
جاپان =	۱۱۸۲۶۹۰۰۰ گنی
اسپین =	۱۰۰۱۶۱۰۰۰ گنی

طویل ترین نام اس وقت دنیا میں سب سے بڑا نام کانگو کے ایک شخص کا ہے، جو اس طرح لکھا جاتا ہے:-

Gust- J. Papatheodorokoumoundurgistomichala Kupulos

اور جس کا تلفظ اس طرح ہو سکتا ہے:- گسٹ، جے، پاپا تھیوڈورو کومونڈورگسٹومکالا کوپوس۔

رُوہر کی اہمیت رُوہرہ جرمنی کا ایک صوبہ ہے، جس پر آجکل فرانس مخالفانہ قبضہ قائم کر رہا ہے۔ اس صوبہ کا رقبہ جرمنی کے سارے ملک کے ساتویں حصہ کے برابر ہے، لیکن صنعت و حرفت کے لحاظ سے اسکی اہمیت بہت بڑھی ہوئی ہے۔ جرمنی کے تمام بڑے بڑے کارخانے اور معدن یہیں پائے جاتے ہیں اس صوبہ کی آبادی ساڑھے نو ملین یعنی کل جرمنی آبادی کے سولھویں حصہ کے برابر ہے۔ یہاں کوئلہ کی اتنی بڑی معدن ہے، کہ اس سال کے برآمدہ ۱۱۵ ملین ٹن کوئلہ میں سے ۱۰۰ ملین ٹن کوئلہ یہیں کا تھا۔ اسی پر لوہے وغیرہ کی برآمد کا قیاس کرنا چاہئے۔ جرمنی آبادی کا ۳، ۲۳ حصہ یہاں کے کارخانوں اور معدنوں میں کام کرتا ہے۔

گھونگے کی جنس علم حیات بحری کی ایک انجمن انگلستان میں قائم ہے جو بحری جانوروں کی زندگی کے متعلق تحقیق کرتی رہتی ہے۔ اس کے ایک ممبر نے گھونگے کے متعلق عجیب و غریب اکتشاف کیا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ گھونگے میں نر و مادہ کا وجود نہیں ہے اور اسکی پیدائش اس طرح ہوتی ہے کہ گھونگھا ایک خاص قسم کا مادۂ حیات یا تخم حیات پانی میں منتشر کر دیتا ہے اور پھر اپنے خول کے اندر بہت سے انڈے دیتا ہے۔ پانی جسمیں اس کا مادہ حیات منتشر ہے ان انڈوں سے مل کر بچے پیدا کر دیتا ہے اور گھونگھا پھر اپنی اصلی حالت پر آجاتا ہے۔

ہاتھی کہاں مرتے ہیں ہاتھی افریقہ اور ہندوستان میں بکثرت پائے جاتے ہیں اور اسی نسبت سے وہ مرتے بھی ہیں لیکن جنگلوں میں آج تک اُن کا ڈھانچہ کہیں نہیں ملا۔ یہ امر محقق ہو چکا ہے کہ ہاتھی جب اپنی عمر طبعی کو پہونچکر قرب موت کو محسوس کرتا ہے تو کسی ایسی جگہ چلا جاتا ہے، جہاں اس کا پتہ چلانا بہت مشکل ہے اس لئے آجکل علمائے حیوانات کوشش کر رہے ہیں کہ یہ مقامات کسی طرح دریافت ہو جائیں تاکہ وہاں پہونچکر کوئی علمی اکتشاف کر سکیں اور اسکے ساتھ ہاتھی دانت کے ایک بڑے ذخیرہ پر متصرف ہو سکیں۔

ابر سے پانی برسانا امریکہ کا ایک ڈاکٹر وارین ابر سے پانی برسانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ آسمان میں بہت سے ٹکڑے بادل کے ایسے ہوتے ہیں جو بغیر پانی برسائے تحلیل ہو جاتے ہیں، لیکن ڈاکٹر مذکور نے ان سے کام لینے کی ایک تدبیر نکالی ہے یعنی وہ ایسے بادلوں سے بھی پانی برسا دیتا ہے۔ یہ ہوائی جہاز پر سوار ہو کر ان بادلوں سے اوپر چلا جاتا ہے اور ریگ کی ایک مقدار جو مکہرب (یعنی جس میں برقی کیفیت پیدا کی ہوئی)

ہوتی ہے ان پر چھڑکتا ہے جس سے یہ منتشر بادل یکجا ہو کر پانی برسانے لگتے ہیں۔

ڈاکٹر موصوف کا تجربہ ہے کہ ۸۰ پونڈ ریگ ۱۰ منٹ کے اندر دو مربع میل کے اندر بادلوں کو اکٹھا کرکے انہیں پانی برسانے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اسکی علمی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ سحاب جو پانی نہیں برساتا پانی کے اُن چھوٹے چھوٹے قطرات کا مجموعہ ہوتا ہے جن میں صرف منفی کیفیت کہربائی پائی جاتی ہے اور اسی لئے وہ قطرات الگ الگ رہتے ہیں۔ جب ان کے اوپر ایجابی کہربائی کے ذرات ریگ چھڑک دیے جاتے ہیں تو وہ قطرات آب متحد ہو کر برسنے لگتے ہیں۔

کہر دور کرنے کے لئے بھی اس قسم کی ریگ استعمال کی جاتی ہے اور کامیابی ہوتی ہے۔

فرانس کی ہوائی قوت برطانیہ کی وزارت ہوائی نے ایک تقریر کے دوران میں ظاہر کیا ہے کہ اس وقت سارے دنیا میں خطوط ہوائی ۴۷ ہیں، جن میں سے ۱۹ فرانس کے قبضہ میں ہیں، ۱۱ پر جرمنی قابض ہے اور صرف ۶ پر انگلستان کا تصرف ہے۔ فرانس کے خطوط ہوائی کی لمبائی ۲۰۶۴۲ میل ہے فرانس نے گزشتہ سال ۳۳۰۰ ہوائی جہاز طیار کئے اور اس کا ارادہ ہے کہ سنہ ۱۹۳۳ء کے آخر تک ۲۲۰ ہوائی بیڑے اسکے پاس ہو جائیں جن میں ہر بیڑہ دس جہاز پر مشتمل ہو۔

کرپ کے کارخانے جرمنی کا کارخانہ "کرپ" بہت مشہور ہے۔ جس میں اب سے قبل آلات قتل و حرب و ذخائر جنگ نہایت کثرت سے طیار ہوتے تھے، لیکن اب کرپ کی یہ حربی صنعت معدوم ہو گئی ہے اور اسکی جگہ صنائع صلح و امن نے لے لی ہے۔ چنانچہ اس وقت یہاں پچاس میل کے دور میں سیکڑوں کارخانے قائم ہیں جن میں ایک لاکھ مزدور شب و روز کام کیا کرتے ہیں۔ ان مزدوروں کی راحت و آسائش کیلئے نہایت عمدہ اور اصول صحت کے لحاظ سے بہت وسیع و فراخ مکان بنائے گئے ہیں جن میں وہ رہتے ہیں اور ۹۹ دوکانیں مختلف اشیا کی ان کیلئے ہر وقت کھلی رہتی ہیں ان کارخانوں میں اب بجائے تیغ و تفنگ کے وہ چیزیں طیار ہوتی ہیں جنکی ضرورت دنیا کو زمانہ امن میں ہوتی ہے۔

برق کی خدمتیں یورپ اور خصوصیت کے ساتھ امریکہ میں بجلی کا استعمال اسقدر عام ہو گیا ہے کہ معمولی ملازموں کے کام بھی اس سے لئے جاتے ہیں۔ ریڈیو گرافی نے جسقدر ترقی امریکہ میں کی ہے وہ حد درجہ حیرتناک ہے۔ لاسلکی ٹیلی فون کے ذریعہ سے ہزاروں میل تک آوازے، تصویر، اور تحریروں کا منتقل ہونا وہاں معمولی بات ہو گئی ہے۔ امریکہ کی پولیس بھی اس سے کام لیتی ہے اور مجرموں کے نشانات انگشت بھی اس لاسلکی ٹیلی فون کے ذریعہ سے مختلف مقامات میں روانہ کر دیتی ہیں۔ اسکے ساتھ ضروریات تمدن و معاشرت میں بھی ہر جگہ بجلی کے کرشمے

استفسار و جواب

(۱)

(محمد ایوب صفی، مالیگاؤں)

نوازش ہوگی اگر بذریعہ نگار مندرجہ ذیل سوالات پر روشنی ڈال کر میری معلومات میں اضافہ فرمائیں گے:-

(۱) علم الجراحۃ میں مسلمانوں کی مخصوص و ممتاز تصانیف کیا کیا ہیں اور یورپ کا یہ دعوی کہ وہ اس فن کا موجد ہے کہاں تک صحیح ہے؟ (۲) عربی زبان میں علامہ فرید وجدی اور عمر دبستانی کی دائرۃ المعارف کے سوا کوئی اور انسائکلوپیڈیا ہے یا نہیں اور ان دونوں میں افضل کون ہے؟ (۳) عربی میں کسی ماہوار یا پندرہ روزہ پرچے کی کامیابی کیلئے کیا کیا لوازم ہیں؟-

(نگار) علم الجراحۃ فن طب کی ایک شاخ ہے، جسے انگریزی میں Surgery سرجری کہتے ہیں۔ یہ لفظ یونانی لفظ chirurgie سے ماخوذ ہے، جسکے معنی "صناعۃ الید" کے ہیں۔ یہ بالکل یقینی ہے کہ فن جراحی (جو جسم کی تمام ظاہری صدمات و ضربات کے علاج سے متعلق ہے) علم الادویہ سے بہت پہلے رائج ہوا ہوگا، کیونکہ ابتدائے دور انسانیت میں جب انسان جانوروں کی طرح کوہ و صحرا میں خاک چھانتا پھرتا ہوگا اور درندوں کے درمیان وہ زندگی بسر کر رہا ہوگا، تو یقیناً اولین نقصان اس کے جسم کو پہونچا ہوگا اور قدرتاً اس نے سب سے پہلے اسی قسم کے صدمات و ضربات کا مداوا تلاش کیا ہوگا، اسلئے اس فن کی ابتدا، تو اولین دور انسانیت سے شروع ہوتی ہے لیکن اگر "عہد تاریخ" میں جستجو کیجائے تو اس فن میں اولیت کا فخر مصر کو حاصل ہے، جسکا ثبوت وہاں کے آثار قدیمہ کے نقوش سے بہم پہونچا ہے۔ قدیم عبرانیوں کی تاریخ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ فن مصر کے کاہنوں سے سیکھا ہے۔

یونانیوں کے نزدیک یہ فن بھی علم الاصنام کی طرح بہت قدیم تسلیم کیا جاتا ہے اور انکا خیال ہے کہ سب سے پہلے تھسلی کے خیرون القنطوری نے زخموں کیلئے عقاقیر کا استعمال کیا، لیکن بعض کا قول ہے کہ اسکولابیوس اس فن کا موجد تھا اس کے بعد چھٹی صدی (ق م) میں فیثاغورس نے مدرسہ طبیہ قائم کیا اور اسکے ایک شاگرد دیموسیوس نے اس فن میں بہت شہرت حاصل کی۔ اسکے دو صدی بعد ۴۰۰ (ق-م) میں بقراط نے اس فن کو بہت ترقی دی اور بعض بعض نہایت نازک عمل جراحی کے اس کی طرف سے ظاہر ہوئے۔

مسلمانوں میں یہ فن آل عباس کے عہد میں رائج ہوا، جب کہ تمام علوم و فنون کی کتابیں عربی زبان میں منتقل ہو رہی تھیں اور مختلف فنون کے مدارس دمشق و بغداد وغیرہ میں قائم ہو رہے تھے۔ مسلمانوں میں یہ فن یونانی کتابوں سے منتقل ہو کر آیا اور عرب کے اطبا میں سب سے زیادہ شہرت امام ابوبکر رازی نے حاصل کی اور قثاطیر (Catheter) کی ایجاد اسی کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ اسکے بعد ۱۱۰۶ھ میں ابوالقاسم الزہراوی نے

اندلس میں شہرت حاصل کی اور متعدد آلات جراحی اسنے ایجاد کئے۔

سلمانوں کی خاص کتابیں اس فن میں یہ ہیں :- (۱) جامع مفردات الادویہ والاغذیہ للشیخ ابی عبداللہ محمد جو ابن بیطار کے نام سے مشہور ہے۔ (۲) عمدۃ الجراحین مصنفہ امین الدولہ ابوالفرج یعقوب القف (۳) غنیۃ اللبیب مصنفہ محمد بن ابراہیم معروف بہ ابن الاکفانی السنجاوی المصری۔

زیادہ تفصیل کیلئے طبقات الاطبا مسمی بعیون الانبا مصنفہ شیخ موفق الدین احمد بن قاسم ابی صیبعۃ ملاحظہ فرمائیے۔

(۲) عربی زبان میں بستانی اور فرید وجدی کی دائرۃ المعارف کے علاوہ اور کوئی انسائیکلوپیڈیا اسوقت تک شائع نہیں ہوئی۔ یقیناً بستانی کی دائرۃ المعارف زیادہ مفید و مفصل ہے لیکن افسوس ہے کہ اسکی صرف گیارہ جلدیں حرف ص تک (شاید) شائع ہوسکی ہیں۔ لیکن عمرو بستانی کا بیٹا اب اسکی تکمیل کر رہا ہے۔ حکومت مصر نے بھی ادھر توجہ کی ہے اور یقین ہے کہ یہ انسائیکلوپیڈیا زیادہ مکمل ہوگی۔

(۳) ہندوستان سے شائع ہونے والا عربی کا رسالہ اُسی وقت کامیاب ہوسکتا ہے، جب مصر و عرب کے رسائل کی سی شان اسمیں پیدا کی جائے اور یہ غالباً بہت دشوار ہے۔ فی الحال کلکتہ سے الجامعہ ایک پندرہ روزہ رسالہ مولانا ابوالکلام کی سرپرستی میں شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ اس وقت تک اسکے دو نمبر موصول ہوئے ہیں، اسلئے میری رائے میں پہلے آپ اس کا حشر دیکھ لیجئے، پھر ایسی جسارت کیجئے گا۔ اُس سرزمین میں جہاں خود اسکی زبان کے رسائل کامیاب نہیں ہوسکتے کسی شخص کا یہ سوال کرنا کہ دوسری زبان کے جرائد کیونکر کامیاب ہوسکتے ہیں اپنی نوعیت کے لحاظ سے اس قدر عجیب و غریب استفسار ہے کہ مشکل سے کوئی جواب اس کا دیا جاسکتا ہے۔

(۲)

(عبدالواسع قریشی - پڈرونہ، گورکھپور)

(۱) خواب کی حقیقت کیا ہے، مگر جواب طبی نقطہ نظر سے نہ دیا جائے (۲) علم الاعداد کی تاریخی حقیقت اور اسکی باطنی تاثیرات پر روشنی ڈالی جائے۔ علم الاعداد سے میرا مطلب وہ مروجہ نقوش و تعویذ ہیں جو مربع و مثلث نما خطوط میں بھرے ہوئے لکھے جاتے ہیں۔

(۱) خواب کی حقیقت کا مسئلہ اسقدر دشوار ہے کہ اسپر بحث کرنے کے لئے دفتر کے دفتر بھی ناکافی ہیں چہ جائیکہ سلسلۂ استفسار و جواب میں اس سے اعتنا کیا جائے۔ تاہم میں اجمالاً و مختصراً عرض کرتا ہوں۔

دنیا کا کوئی مذہب، کوئی طبقہ اور کوئی مسلک ایسا نہیں ہے جسمیں حقیقت خواب کے متعلق کوئی خیال نہ قائم

قائم نہ کیا گیا ہو، اور چونکہ عالم وجود میں آتے ہی انسان کو "عالم رویا" سے واسطہ پڑا ہوگا، اور اسنے یقیناً اسکے سمجھنے کی کوشش کی ہوگی، اس لئے یہ مسئلہ دنیا کے قدیم ترین مسائل میں شمار کیا جاتا ہے اور ہر عہد میں اس کے متعلق مختلف نظریے قائم کئے گئے ہیں اور غالباً ہمیشہ قائم کئے جائیں گے کیونکہ جس وقت تک روح کی حقیقت دریافت نہیں ہوتی اس وقت تک خواب کی اصلیت کا بھی علم نہیں ہو سکتا، لیکن اسی کے ساتھ یہ بات بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں کہ تمدن جسقدر ترقی کرتا جاتا ہے خواب کی اہمیت کم ہوتی جاتی ہے اور بظاہر نظام عالم پر اس کا موثر ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا۔

آپ جسقدر دور زمانہ ماضی میں جستجو کریں گے، خواب کی اہمیت اسی قدر بڑھتی ہوئی نظر آئی گی، حتی کہ عہد وحشت میں خواب کو اسیقدر اہمیت دی جاتی تھی جتنی عالم بیاداری کے واقعات و مشاہدات کو۔ چنانچہ وحشی قومیں اب تک یہ خیال کرتی ہیں کہ خواب دیکھنے والے کی روح جسم سے باہر نکل جاتی ہے اور مختلف مقامات کی سیر کرکے، مختلف لوگوں سے مل ملا کر پھر واپس چلی آتی ہے، اسیطرح وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ دوسری روحیں انکی روح سے ملنے آتی ہیں۔

ہرچند مہذب اقوام و ممالک میں اس اعتقاد کے ماننے والے اب نہیں پائے جاتے، تاہم اب سے قبل نیم مہذب زمانہ تک جو جو نظریے اس کے متعلق قائم کئے گئے تھے وہ بھی کم عجیب و غریب نہ تھے۔ ارسطاطالیس کہتا ہے کہ "جسمانی آنکھ سے ہم جن چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہیں وہ اپنا اثر چھوڑ جاتی ہیں، اور خواب کی حالتیں بھی بیرونی اثرات مبالغہ آمیز صورت سے ظاہر ہوتے ہیں، مثلاً حالت بیداری میں سنی ہوئی ایک معمولی آواز خواب میں صاعقہ ہو کر محسوس ہوتی ہے"۔ افلاطون بھی خواب کو عالم بیداری کے حوادث سے متعلق کرتا ہے لیکن بعض کا خیال ہے کہ وہ خواب جو کھانا کھانے کے بعد آدمی دیکھتا ہے — بے شک اس اصول کے تحت میں شمار ہو سکتا ہے، لیکن اسکے علاوہ خواب کا تعلق کسی اور عالم سے۔ بیسٹر کہتا ہے کہ خواب کا تعلق بھی قدرتی حوادث سے اسیطرح پایا جاتا ہے، جسطرح بیداری کا، کیونکہ دونوں صورتوں میں ادراک و احساس کی ایک ہی سی کیفیت ہوتی ہے" ہپاکریٹس کا اعتقاد تھا کہ بعض خواب یقیناً خدا کی طرف سے ہوتے ہیں جسطرح اکثر خواب خارجی تاثرات بیداری کا نتیجہ معلوم ہوتے ہیں" گیلن کا بھی یہی خیال تھا۔

عہد حاضر میں ڈیکارٹس کے اس نظریہ نے کہ زندگی نام ہے خیالات کی بیدار ہونے کا اسکے شاگردوں کو اس اعتقاد کی طرف مائل کردیا کہ دماغ ہر وقت سوچتا رہتا ہے یہاں تک کہ نیند کی حالت میں بھی وہ بیکار نہیں رہتا،

اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ اگر حالت خواب میں روح بیدار رہتی تو انسان کو سارے خواب یاد رہنے چاہئیں لیکن کینٹ اور ہملٹن نے اس کا جواب دیا ہے کہ خواب دیکھنے والا اس وقت ضرور صاحب شعور ہوتا ہے، لیکن ضعف حافظہ کی وجہ سے بیدار ہونے پر وہ دماغ سے محو ہو جاتا ہے۔ الغرض اسیطرح اور علماء مابعد الطبیعت نے اپنے اپنے خیال ظاہر کئے ہیں لیکن اگر آپ یہ چاہیں کہ ان کو پڑھ کر خواب کی حقیقت معلوم کر سکیں تو یہ تمنا کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔ علماء اسلام نے اس باب میں جو کچھ لکھا ہے وہ بھی تسکین بخش نہیں ہے۔ لیکن کلام مجید سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ ہر خواب، پریشاں خیالی میں شمار نہیں ہو سکتا، جسطرح ہر خواب کو الہام ربانی نہیں کہہ سکتے۔

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ ہمارے اکثر خواب، عالم بیداری کے تجربات و واقعات کی بگڑی ہوئی صورت ہوتے ہیں لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ بعض مرتبہ ایک انسان مستقبل کی حالت، یا غیر معلوم واقعات ماضی کے خواب کے ذریعہ سے معلوم کر لیتا ہے۔ اس لئے ایک خواب جس طرح "اضغاث احلام" میں شمار کیا جا سکتا ہے، اسیطرح اُسے بعض صورتوں میں وجدانی کیفیت سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں، اور بیداری کے وجدان کی جو حقیقت ظاہر کی جا سکتی ہے، وہی عالم خواب کے وجدان پر منطبق ہوگی کیونکہ روح انسانی جو مرکز ہے وجدان و احساس کا، وہ حقیقتاً ہر وقت بیدار رہتی ہے اور اس پر نیند کا غلبہ کبھی نہیں ہوتا۔

(۲) آپ کا دوسرا سوال "علم الاعداد" سے تو نہیں البتہ "اوہام و مزخرفات" سے ضرور متعلق ہے اور مجھے یہ محسوس کر کے مسرت ہے کہ بحمد للہ میری طرح آپ بھی اسکو اہمیت نہیں دیتے۔ جھاڑ پھونک، تعویذ گنڈے کا رواج سب سے پہلے مصر کے کاہنوں میں پایا جاتا تھا، اور وہیں سے سرزمین بابل میں ہو کر عیسائیوں میں عام ہو گیا۔ مسلمانوں میں اس کا رواج بہت حال میں ہوا ہے اور عہد سعادت و عہد خلفاء راشدین میں اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔

کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے مربع کا تعویذ ایک یونانی شخص موکوپوکس نے ایجاد کیا جو یقیناً اصول ریاضی کے ماتحت اس وقت عجیب و غریب چیز سمجھا جاتا ہوگا، چونکہ اُس وقت عقول انسانی زمانہ وحشت سے قریب تر ہونے کی وجہ سے زیادہ واہمہ پرست تھیں، اس لئے انھوں نے اس نوع کے اعمال ریاضی کو کسی مافوق الفطرت قوت سے منسوب کر لیا۔

اس کے بعد کارنی لیس نے سات نقش بنائے اور سبع سیارہ سے الگ الگ منسوب کئے۔ پھر فری کل نے اس فن کو زیادہ ترقی دی۔ ۱۵۰۶ء میں پا ٹگنارڈ نے ایک کتاب ہی ان مربعوں کے متعلق لکھ ڈالی اس طرح یونان کے بہت سے ریاضی داں لوگوں نے اس موقع پر طبع آزمائی کی تھی، جسے کمزور اعتقاد کے لوگوں نے خدا جانے کیا سمجھ لیا۔

اسلام کی مخالفت گنڈے تعویذ سے ظاہر ہے کیونکہ یہ مربع مستطیل نقش سب سیاروں سے متعلق خیال کئے جاتے ہیں اور اسلام نے سرے سے "احکام نجوم" ہی کو باطل قرار دیدیا ہے۔ یورپ بھی مدت دراز تک اس وہم میں مبتلا رہا، لیکن ذہنی ترقیوں کے ساتھ ساتھ یہ خیال مٹتا گیا، حتیٰ کہ اب مشکل سے وہاں کوئی ایسا شخص نظر آئے گا جو ان مزخرفات کا قائل ہو۔

(۳)

(محمد مبارک شاہ جیلانی۔ بہاولپور)

(۱) انگلنڈ کے مشہور ڈرامہ نگار شیکسپیر کے ڈراموں کے ترجمے جسقدر اردو میں کئے گئے ہیں، کیا وہ معیار ترجمہ پر پورے اترتے ہیں۔

(۲) اگر علحدہ مضمون اسکی سوانح حیات کا تحریر فرمائیں تو بہتر ورنہ اسکی تاریخ ولادت ووفات ومختصر اشغال زندگی کے نسبت کچھ تحریر فرمائیں۔

(۳) ملٹن کی پیریڈائز لاسٹ کا ترجمہ جو "فردوس گم شدہ" کے عنوان سے مل سکتا ہے اور ترجمہ کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے۔

(۴) کیا سونا چاندی بنانا (کیمیاگری) ممکن ہے۔ یوروپ کی اسکے متعلق کیا تحقیق ہے۔

(نگار) (۱) شیکسپیر کے ڈراموں کے ترجمے جسقدر کئے گئے ہیں، وہ معیار ترجمہ پر پورے اترتے ہوں یا نہ اترتے ہوں لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ اردو زبان میں اگر کچھ رہتے نہیں۔ البتہ اگر ان میں تصرف کیا جائے تو بیشک لطف پیدا ہو سکتا ہے۔

(۲) شیکسپیر کے حالات کثرت سے شائع ہو چکے ہیں اور انگریزی میں آپ اسکے جس ڈرامہ کو دیکھیں گے اس کے شروع میں اس کے مختصر حالات بھی آپ کو ملیں گے۔ بتاریخ ۲۶ ر اپریل ۱۵۶۴ء

اسٹریڈ فورڈ وارڈکشایر میں پیدا ہوا۔ سنہ ۱۵۷۲ء تک اپنے وطن میں تعلیم حاصل کی۔ سنہ ۱۵۷۸ء میں کسی وکیل کا منشی ہوگیا۔ سنہ ۱۵۸۲ء میں شادی ہوئی، سنہ ۱۵۸۷ء میں ایک کمپنی میں ایکٹر کی حیثیت سے ملازم ہوگیا سنہ ۱۵۹۳ء میں اسکی مشہور نظم وینس واڈونس شائع ہوئی، اور سنہ ۱۶۱۶ء میں ۲۳ر اپریل کو مرگیا۔

(۳) "فردوس گم گشتہ" اچھا ترجمہ ہے۔ الناظر بک ایجنسی لکھنؤ سے خط وکتابت کیجئے۔

(۴) مصنوعی سونا چاندی بنانا محال عقلی نہیں ہے گو محال عادی ضرور ہے اس سے قبل یورپ کا خیال یہی تھا کہ سونا چاندی بنانا ناممکن ہے، لیکن اب جرمنی نے اس کا دعویٰ کیا ہے کہ وہ پارہ کے بعض اجزاء ترکیبی کم کرکے سونے میں تبدیل کرسکتا ہے، لیکن اس کا کیا علاج ہے کہ حقیقی سونا تو وہی ہوسکتا ہے جو بغیر عمل کیمیا کے معدن سے نکلے اس لئے اگر مصنوعی طلا طیار ہو بھی گیا تو میری رائے میں دنیائے تجارت واقتصاد پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑسکتا، البتہ لوگوں کو خدع وفریب کا موقع ضرور مل سکتا ہے۔

(۴)

(میر خورشید احمد خورشید۔ شملہ)

یکتا کے ساتھ لفظ دُر بالتشدید استعمال ہوتا ہے یا نہیں۔ درغلطاں، دریتیم وغیرہ یہ سب ترکیبیں تو بالتشدید صحیح ہیں؟

(نگار) دُر اصل میں عربی لفظ دُرّۃ (بتشدید را) ہے۔ اسکی جمع دُرَر، دررات، دُرّآتی ہے، اہل فارس، لفظ دُر کو (بہ تخفیف را) "مروارید بزرگ" کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے لفظ یکتا کے ساتھ بہ تشدید را لفظ دُرّ کا استعمال درست نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ لفظ یکتا دُرّ کے حقیقی معنے کے منافی ہے۔ البتہ تخفیف را کے ساتھ یکتا کا استعمال ہوسکتا ہے +

نگار پریس کا قیام تو ابھی قوت سے فعل میں نہیں آسکا، لیکن ایک اچھے کاتب کی خدمات مستقلاً حاصل کرلی گئی ہیں امید ہے کہ جولائی سے خرابی کتابت کی شکایت نہ ہوگی۔

منیجر "نگار"

کتب موصولہ

سیر و سفر | مصنفہ ہز اکسلنسی یمین السلطنت مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر المتخلص بہ شاد ضخامت ۳۳۴ صفحات، طباعت و کتابت بغایت دلکش، قیمت عہ

مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر طبقہ اغنیا کے ان مخصوص و ممتاز افراد میں سے ہیں جو اپنی خصوصیات کے لحاظ سے حقیقتاً فقیر و درویش کہلائے جانے کے مستحق ہیں - اور یہی وہ خصوصیت ہے جس نے آپ کے تمام تصانیف و تالیف میں اک وجہ امتیاز پیدا کر دی ہے - اور آپ کے ہر ہر فقرہ سے ایک درویشانہ وارفتگی، ایک حد درجہ عمیق تصوفانہ کیفیت ظاہر ہوتی ہے -

یہ تصنیف اس سفر کے حالات پر مشتمل ہے، جو جناب شاد نے ۱۳۳۴ھ میں ہندوستان کے مختلف مقامات دیکھنے کے لئے اختیار کیا تھا - چونکہ اس سفر سے اولیاء کرام و اعاظم ہند کے مزارات کی زیارت مقصود تھی، اسلئے آپ زیادہ تر انہیں مقامات پر تشریف لے گئے جہاں یہ تمنا پوری ہوسکتی تھی یہ تصنیف ایک تمہید کے ساتھ شروع ہوتی ہے، جس میں فلسفیانہ انداز سے سیر و سیاحت کی ضرورت کو ثابت کیا گیا ہے اور اس کے بعد روزنامچہ سفر کی ابتدا ہوتی ہے جو شروع سے آخر تک حد درجہ دلچسپ اور پر از معلومات ہے - محض سیر و سیاحت کے حالات و واقعات قلمبند کرنا کوئی ایسا موضوع پیش نہیں کرتا کہ دماغ زیادہ وسعت سے کام لے سکے - لیکن یہ مہاراجہ شاد کے علم و فضل اور وسیع تجربہ کا کرشمہ ہے کہ انہوں نے اس تصنیف کو بھی تاریخ و ادب اور فلسفہ و تصوف کے ہزاروں نکات سے لبریز کر دیا -

سفر شادنگر | یہ تصنیف بھی مہاراجہ شاد کے زور قلم کا نتیجہ ہے - شاد نگر، مہاراجہ صاحب بالقابہ کی جاگیر کا ایک گاؤں ہے جو اپنی آب ہوا کے لحاظ سے بہت دلچسپ مقام سمجھا جاتا ہے - اس تصنیف میں اسی گاؤں کے سفر و قیام کا حال حد درجہ دلکش انداز و زبان میں قلمبند کیا گیا ہے -

اس کتاب میں تقریباً پانچ ماہ کے قیام کا حال درج کیا گیا ہے اور اس کے دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ مہاراجہ شاد کے اوقات کس طرح بسر ہوتے ہیں اور ان کی زندگی کا ہر ہر لمحہ کس قدر

رنگین گزرتا ہے۔ اس میں جابجا آپ کی منظومات بھی ہیں جو دعوتی تحریروں کے جواب میں لکھی گئی ہیں اور عجیب و غریب ہیں۔ جن حضرات نے آپ کے کلام کا مطالعہ کیا ہے وہ اچھی طرح واقف ہیں کہ رنگ تصوف آپ کے ہر شعر سے جھلکتا ہے۔ چنانچہ ایک صاحب کو شادی کے مبارکباد کا منظوم خط لکھتے ہیں اور اتحاد ازدواج کے سلسلہ میں فرماتے ہیں۔

ایک ہی ہے سب شے ہے ظاہر　　　کثرت میں پھر ہے وہ اکیلا
جو ہے موحد وہ کیا جانے　　　دوئی کا ہر دم منہ ہے کالا
کیا سُنّی اور کیا ہے شیعہ　　　دونوں کا ہے وہ اک مولا
کیا ہے گوری اور کیا ہے کالی　　　سب گوپیاں ہیں ایک کنھیا
اُس کی مرلی کی ہر جا دُھن　　　من موہن سب کو ہے پیارا

آخر کے دو شعروں کی زبان اور ان کا لطف صرف اہل ذوق ہی حاصل کر سکتے ہیں۔

دوسری جگہ شکریہ منظوم میں لکھتے ہیں۔ بھول کے تم نے یاد کیا ہے، ہے یہ نرالا ڈھنگ وفا کا

کہیں کہیں غزلیں بھی درج ہیں جو بے ساختہ ہو گئی ہیں۔ فرماتے ہیں:-

کہتے ہیں جسکو عشق وہ ہے بیخودی کا نام　　　اچھے برے کا کس کو یہاں اختیار ہے
اے شادؔ تیرے سارے گناہوں کی کیا بساط　　　بخشے گا وہ ضرور جو بخشتہ نواز ہے

ایک جگہ آپنے کلام غالب پر تنقید بھی کی ہے جس سے آپکی دقت نظر، صحت فکر، اور اصابت رائے بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:- "وہ حسن حقیقت کا پرستار ہے اور زندگی کے مختلف ترانوں کا مغنی اگر وہ ایک طرف آتش سیال اور دو آتشہ پانی کی تعریف میں نغمہ سرائی کرتے ہیں تو دوسری طرف فلسفہ کے دقیق اور اہم ترین مسائل کی گتھیوں کو سلجھا رہے ہیں۔ تعمق خیال، بے عیب طرز، دقت نظر، عالمگیر ہمدردی، یہ تمام خوبیاں غالب کی نظم و نثر میں کوٹ کوٹ کر بھری ہیں۔ مرزا غالب کا کلام، توحید، تصوف، حکمت، فلسفہ، عبرت، بے ثباتی دنیا، خودداری، جذبات، حب الوطنی، ارتقاء، تناسخ، وحدت الوجود وغیرہ کے مسائل اور راز فطرت کے بہت سے اسرار کا گنجینہ ہے۔ تصوف میں بھی مرزا کا بہت بلند مرتبہ ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی دشوار گزار منزلیں طے کر چکے ہیں، جس جگہ اوروں کا مذہب انتہا کو پہونچتا ہے وہاں حضرت غالب کا مذہب شروع ہوتا ہے۔" اس تنقید سے معلوم ہوتا ہے کہ مہاراجہ شاد نے کیسی دقیقہ رس نگاہ پائی ہے۔ الغرض یہ کتاب بے انتہا دلچسپ ہے اور انسٹی ٹیوٹ پریس کا نام اس کے حسن طباعت کا ضامن۔ قیمت عہ

لگار ایجنسی کی کتابیں

تصنیفات حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بی-اے-ایل-ایل بی امام مسجد ووکنگ انگلستان

مطالعہ اسلام - اصول اسلام کی تفسیر — عہ

راز حیات یا انجیل عمل - مسلمانوں کا وطن — عہ

توحید فی الاسلام - مسلمانوں کے شعبۂ زندگی پر نظر — ۵/ عہ

براہین نیرہ - موجودہ تہذیب پر تنقیدی بحث — ۱۲/

ام الالسنہ - عربی زبان کے الہامی ہونے کا ثبوت — ۱۲/

اسوۂ حسنہ - زندہ وکامل نبی کے حالات — ۸/

سلک مروارید ۱۹۱۱ء سے ۱۹۲۲ء تک کے دس تقریروں کا مجموعہ — ۴/

اسلام میں کوئی فرقہ نہیں - لایجتمع امتی کی دلچسپ تفسیر — ۱۴/

خطبات غربیہ - چھ تقریروں کا مجموعہ — ۱۲/

مکالمات ملیہ - مخالفین اسلام سے مناظرہ ومباحثہ — ۱۳/

ذرات عالم کا مذہب - فلسفیانہ طریق پر ضرورت مذہب کا ثبوت — ۸/

مسیح کی الوہیت - مسیح کے کمال انسانیت پر نظر — ۴/

اسلام اور علوم جدیدہ - محمدن ایجوکیشنل کانفرنس والی تقریر — ۴/

ضرورت الامام - سائنٹفک طریقہ پر امام کا ثبوت — ۱۲/

سیرت نبوی - مسلم بک سوسائٹی کی طرف سے ایک تصنیف — ۵/

کرشن اوتار - سری کرشن جی کے حالات — ۱/

قرآن اور جنگ - مصنفہ مولوی صدر الدین صاحب — ۴/

شہدائے ثلاثہ - مصنفہ شیر حسین صاحب قادیانی — ۷/

میلاد النبی - آنحضرت کے خلق عظیم پر مسٹر پکتھال کی تقریر — ۳/

تفسیر سورہ فاتحہ - مصنفہ مولانا محمد علی صاحب مترجم القرآن — ۴/

اسلام - مولانا محمد علی کے ایک آرٹیکل کا ترجمہ — ۸/

لمعات انوار محمدیہ - مختلف مضامین کا مجموعہ — ۶/

اسرار سلمانی - مترجمہ امام علی — ۶/

تصنیف علیا حضرت بیگم صاحبہ فرمانروائے بھوپال -

معیشت - امور خانہ داری پر مفصل بحث — ۱۲/

معاشرت - معیشت کا دوسرا جزو — ۱۴/

ہدیۃ الزوجین - میاں بیوی کے حقوق و فرائض — ۸/

معقد ازدواج - ازدواج کی ضروری ہدایتیں — ۸/

ہدایات تیمارداری - تیمارداری کے لئے پہلی اور بہترین کتاب — ۱۲/

تربیت اطفال - حضور سرکار عالیہ ان باتوں ضروری چیز — ۸/

حفظ صحت - صحت کو محفوظ رکھنے کے عمدہ اصول — ۱۳/

بچوں کی پرورش - اس موضوع پر بہترین ہدایات — ۴/

ہندوستانی گھروں میں تیمارداری — ۴/

تندرستی - قیام صحت پر بہترین تصنیف — عہ

سبیل الجنان - مذہبی تقریروں کا مجموعہ — [illegible]

عفت المسلمات - پردہ پر مفصل تبصرہ اور مدلل بحث — عہ

مدارج الفرقان - قرآن مجید کے متعلق ضروری معلومات — ۴/

سیرت مصطفےٰ - بہترین تقریروں کا مجموعہ — عہ

باغ عجیب تین حصوں میں دلچسپ کہانیاں — ۸-۷

اخلاقی سلسلہ چار حصوں میں - ۸/ ۱۴/ ۱۲/ — ۱۴-۱۲

تہذیب نسواں عورتوں کی ہر ضرورت زندگی پر مفصل معلومات — عہ

مہذب زندگی - تہذیب اخلاق کی بہترین کتاب — عہ

ہماری روح کا گھر .... — عہ

التربیت .... — ۲/

باغبانی تین حصہ - عہ - عہ — [illegible]

فرائض النسا .... — [illegible]

افضال رحمانی ....

تصانیف جناب میمونہ سلطان شاہ بانو

آغاز اسلام - علامہ شبلی مرحوم کی کتاب بدء الاسلام کا ترجمہ

ذکر مبارک - تاریخ اسلام کا پہلا ...

کتب موصولہ

رنگین گزرتا ہے

اور بچہ، ۱۰ - تاریخ اسلام کا دوسرا حصہ - ۱۴ر

سردار بیہ - اول - دوم - تاریخی حکایات - ۱۴ر - ۱۴ر

گل وریحان - بچوں کے لئے نتیجہ خیز کہانیاں ۸ر

فرائض مادری - ان کے فرائض دل نشین انداز میں ۱۲ر

تصانیف منشی بخش صاحبہ

جواہر بیہ - کپڑوں کے داغ دور کرنے وغیرہ کی ترکیب - ۱۴ر

بنگنگ حصہ اول و دوم - زنانہ دستکاری - عہ، عہ

دیگر مصنفین

سلسلہ سلطانیہ - چار حصے - مصنفہ مفتی انوار الحق صاحب ڈائرکٹر تعلیمات - ۸ر

ازدواج الانبیاء - مولوی محمد حسین محوی - عہ

رموز فطرت - مولوی محمد مہدی صاحب ۸ر

بصائر القرآن ایضاً ۸ر

انسان ایضاً ۸ر

الصالحات - مصنفہ منشی محمد اسمعیل ہاتف ۸ر

عقد القرآن - ترجمہ - از مولوی محمود علی صاحب ۸ر

نبات طیبات - مرتبہ مولوی منظر الحسن صاحب ۸ر

رہبر اخلاق - مرتبہ آبرو بیگم صاحبہ ۱۴ر

رہبر صحت مرتبہ آبرو بیگم صاحبہ ۱۴ر

سوال و جواب تندرستی - اشرف النساء صاحبہ ۶ر

تربیت اخلاق - عبد الکریم صاحب ۲ر

آغوش مادر - سید مخدوم عالم صاحب ۱ر - ۶ر

پہیلیاں - سید مخدوم عالم صاحب ۱ر

دار الاشاعت سیاسیات مشرقیہ

آفت عثمانیہ - مصنفہ مولانا سید سلیمان ندوی عہ

اہل یونانی مظالم .... عہ

عیسائیوں کی حالت ۵ر

الغز سمرنا ۲ر

تصانیف مولانا نیاز فتحپوری

گہوارۂ تمدن - ارتقاء و تمدن عورت کا کس قدر ممنون ہے عہ

تلاش راز (افسانہ) ۶ر

قربان گاہ حسن (افسانہ) ۱۴ر

محمد محمود محموری بی - اے

روح نظیر - کلام نظیر اکبر آبادی پر بہترین تبصرہ عہ

جامعہ ملیہ کی کتابیں

تاریخ الامت - امت اسلامیہ کی بہترین تاریخ جو قومی تعلیم کے نصاب میں داخل ہے

حصہ اول - یعنی سیرت رسول قیمت - ۸ر

حصہ دوم - خلافت راشدہ کی مفصل تاریخ عہ

حصہ سوم - خلافت بنی امیہ کے مفصل حالات ۸ر

مبادی معاشیات - از پروفیسر ذاکر حسین خاں صاحب عہ

خطب مسیح الملک - حکیم اجمل خاں صاحب ۲ر

انتخاب مضامین جوہر - معہ تصویر .. عہ

ترکوں کی کہانیاں ۱۴ر

منیجر نگار بھوپال

صفت راحیہ گفت

شفاخانہ زاہدی یونانی وامرت فارمیسی باسودہ

ضعف - یہ نوبیں مرہوا درنا ز انکو ہم اٹھائیں ہے کیسا الٹا ہو زمانہ بستری تقدیر کی

میرے معزز دوستو خدا نکرے کہ آپ اس شعر کے مصداق ہوں مگر آج کل

بچانوے فیصدی احباب ضعف باہ ضعف دماغ ضعف اعضاء رئیسہ میں مبتلا ہیں

ممکن ہے آپکو بھی یہ شکایتیں ہوں - جاڑوں کا موسم ختم ہوا چاہتا ہے پھر یہ حسرت

کچھ ہاتھ نہ آئیگا - اسلئے آج ہی اس دوا خانہ کی جادو اثر دوا پر تجربہ کیجئے

تین روپیہ میں آپ نادار اور ہم الدار نہ بنجائیں گے تحفہ سراسر فت نذر ہے

امرت پلز - ٹانک پلز - زاہدی مشکی پلز ہر ایک کی قیمت اور دیگر

کہیں بجا ہو بنچے کے صرف سے رہیں - قدر عالی ہے اب بھی شائق ہیں

نہیں تو بے اندھیر - تجربہ شرط ہے المشتہر حکیم سید ظہور الحسن الف

عجیب و غریب مقبول مصنفین کی بہترین نادر قابل دید تصنیفات

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سمرنا کا چاند

(مصنفہ مولانا راشد الخیری دہلوی) میدان سمرنا کے ہولناک واقعات یتیموں کی بلبلاتی ہوئی صدائیں۔ ترکی بہنوں کے صبر و تحمل کے عبرت آموز نقشے اسلامی سطوت و شوکت کے زوال کے جانفرسا نظارے۔ نسوانی زندگی کے سبق آموز قصے خون کے آنسو رلانے والے تذکرے یہ کتاب تربیت نسوان کے لئے ایک سبق آموز افسانہ ہے۔ قیمت ایک روپیہ چار آنہ عہ

یوسف پاشا

(مصنفہ میاں راشد دہلوی) عشق و محبت رزم و بزم اسلامی جوش مجاہدین اسلام اور مسیحیوں کی معرکہ آرائیاں۔ نہایت عجیب و غریب نظارے۔ جن میں یہ بھی نظر آتا ہے کہ ترک ڈاکو نہیں تھے بلکہ در اصل ڈاکو وہ تھے جو مسلمانوں کو ڈاکو بتاتے تھے اس کا زبردست ثبوت انگریزی تاریخوں سے دیا گیا ہے۔ طرز بیان ایسا اعلیٰ کہ بغیر ختم کئے ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ قیمت عہ

آفتاب دمشق

تثلیث و توحید کا مقابلہ۔ ہلال و صلیب کا مناظرہ اسلام و نصرانیت کے معرکے۔ عہد صدیق و فاروق کے کارنامے۔ نہایت دلچسپ شیریں بیان شیریں زبان محبت کی چاشنی بہت بامزہ دی گئی ہے۔ لیکن پرحسرت مصنفہ مصور غم مولانا راشد الخیری دہلوی۔ قیمت صرف ایک روپیہ چار آنہ (عہ)

مستقبل اسلام

نتیجہ پروفیسر وامبری کی معرکۃ الآرا تصنیف مغربی تمدن اور مشرقی ممالک مترجمہ مسٹر ظفر عمر بی۔ اے (علیگ) قیمت ایک روپیہ پانچ آنہ (عہ)

رہنمائے قانون المعروف وکیل کا منشی

میاں شیر محمد خاں صاحب بی۔ اے (علیگ) ایل ایل وکیل ہائیکورٹ لاہور و الہ آباد) وکلا صاحبان کے لئے ختم شدہ قانونی کتب چھپتی رہتی ہیں لیکن بے چارے منشی صاحبان کس مپرسی کی حالت میں ہیں وجہ یہ ہے کہ انگریزی کتب اردو جامہ پہنکر بالکل ناقص العبارت ہو جاتی ہیں اور ان کا سمجھنا نہایت مشکل ہوتا ہے مندرجہ ذیل احباب کتاب ہذا سے مستفید ہو سکتے ہیں (۱) منشیاران (۲) اہل پیشہ صاحبان (۳) نئے وکلا صاحبان (۴) بیرسٹر صاحبان (۵) منصف صاحبان (۶) عرائض نویساں (۷) تاجران (۸) ساہوکاران (۹) طالبا قیمت عہ

[illegible]

[illegible]

پتہ۔ عبد الرشید اینڈ برادرز تاجران کتب لوہاری دروازہ۔ لاہور

کتب موصولہ

رنگین گزرتا ہے

راستی موجب رضائے خدا است

اور یہ سچ ہے کہ سیدھے راستہ پر چلنے والا کبھی گمراہ نہیں ہوتا۔ اور نہ ادھر ادھر بھٹکتا ہے۔ خود صداقت کی پیروی کرنیوالا دوسروں کو بھی غلط راستہ نہیں بتلاتا [illegible] اس کے ٹیڑھی چالیں چلنے والا خود بھی منزل مقصود پر شاذ و نادر ہی پہونچتا ہے اور دوسروں کی بھی رہبری نہیں کر سکتا۔ آج کل اشتہار بازوں نے اپنی ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلنے والی عادات سے جہاں پبلک کا مذاق بگاڑ کر پنجاب کی اشتہار بازی کو بالکل ہی بدنام کر رکھا ہے۔ وہاں خود بھی ان کا یہی حال ہو کر اپنی چند روزہ زندگی چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات کے مصداق۔ معدودے چند مریضوں سے روپیہ بٹور کر برساتی مینڈکوں کی طرح تھوڑے دن غرائیں غرائیں کر کے پھر ایسے لاپتہ اور معلوم ہوتے ہیں کہ اخبارات میں ان کا نشان تک نہیں ملتا ہم نے دنیا سارا اشتہاری زندگی میں سینکڑوں ایسے اصحاب کو پیدا ہوتے بنتے بگڑتے دیکھا ہے۔ الغرض جیسی ہوتا ہو تھوڑی قیمتوں پہ نادار عباراتوں و گمنام شخصیتوں کے بیچارا ناموں کے عوام فریب میں پھنس کر بیمار بیچارے خراب ہوتے رہتے ہیں اور پھر جب حالت بگڑ جاتی ہو تو بڑی قیمتوں کی چیزیں خریدتے اور صحت حاصل کرنے کا حوصلہ ہی نہیں رہتا یہی سمجھتے ہیں کہ یہ بھی ویسا ہی ہوگا۔ اور زندگی بھر تباہ و خستہ حال رہتے ہیں۔ برعکس اسکے اگر پہلے ہی ارزاں بعلت اور گراں حکمت کے اصول اور اشتہار دینے والوں کی شخصیتوں اور حیثیتوں کو مدنظر رکھ لیا جایا کرے تو تضیع اوقات بیجا اسراف اور فضول سردردی سے بہت حد تک نجات مل جائے۔

علاج بذریعہ ادویات و آلات

میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ادویات کا بودا پن تمام دنیا پر ثابت ہو چکا ہے۔ طبائع مختلف۔ امزجہ مختلف۔ ادویات کا یکساں اثر تمام انسانوں پر ہرگز ہرگز نہیں پڑ سکتا اسی واسطے اشتہاری دوا فروشوں سے جو صفراوی۔ سوداوی۔ بلغمی۔ بادی سب مزاجوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے ہیں۔ لازمی طور پر پرہیز کرنا چاہیئے۔ نیز ادویات کی ایک بھاری زحمت یہ ہوتی ہے کہ کہیں موسم کا لحاظ۔ کہیں کھانے پینے نہانے کا پرہیز کہیں نام نہاد سنیاسی۔ ڈاکٹروں۔ حکیموں وغیرہ وغیرہ کے ذریعہ نیم حکیم خطرہ جان کی مصداق مریض کی جان کے لالے پڑ جانے کا فکر۔ مغربی دنیا کے نامور سائنسدان تو آج کل ہر مرض کا علاج بذریعہ آلات دریافت کرنے کی فکر میں رہتے ہیں اور ادویات پر تین حرف ع۔ن بھیجے ہیں۔ ہندوستان میں علاج بذریعہ آلات کی ابتدا ۱۹۲۱ء میں ہم نے ہی ڈالی اور آج کم سے کم ہزارہا [illegible] مریض ہمارے ذریعہ مصائب و آلام سے نجات حاصل کر چکے ہیں جہاں ڈاکٹر حکیم مریض کو لاعلاج کہکر جواب دے چکے ہوں وہاں ہمارے آلات مسیحائی معجزے کر دکھاتے ہیں۔ بیشمار زندہ مثالیں اس امر کی موجود ہیں۔ کہ ہمارے شہرہ آفاق تینوں آلات۔

(۱) "ایریکیٹرس" (۲) "ایکمینا" (۳) "مانع احتلام"

لاتعداد ہندوستانی بھائیوں کے واسطے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہو چکے ہیں۔ اگرچہ ناظرین نگار سے یہ ہماری پہلی ملاقات ہے۔ تاہم چونکہ ہمارے چھوٹے بڑے اشتہارات مختلف اخبارات کے ذریعہ ہمیشہ پبلک کے زیر نظر رہتے ہیں۔ اسی واسطے ہم مختصر نویسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ ناظرین [illegible] (۱) آلہ ایریکیٹرس میسرز [illegible] برادرز کمپنی شکاگو امریکہ کی ساخت۔ امریکن پیٹنٹ جرمنی کے مشہور ڈاکٹر [illegible] کے اختراع کردہ طریقہ علاج [illegible] پر ایک ٹریٹمنٹ کا نچوڑ۔ فزیالوجی۔ اور کیمیادی علوم کے مقبول عام اصولوں کا عملی نمونہ ہے بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ مردانہ نامردی کے لئے ہر قسم کی مرض نامردی اور اس کے [illegible] قاطع نسل انسانی و مانع حفظ [illegible] بیماری کی جڑ ابتدائی۔ متوسط اور انتہائی ہر صورت میں تمام و کمال اس آلہ کے چند منٹوں کے استعمال سے جڑ سے دور ہوتی ہیں۔ قیمت فی آلہ [illegible] علاوہ محصول ڈاک رجسٹری۔ مفصل تشریحی کتاب "موت کے بعد کی زندگی" ہر درخواست کنندہ بیمار کو بجواب [illegible] مفت (۲) آلہ ایکمینا۔ پروفیسر ڈاکٹر ولسن صاحب کی ایجاد۔ میسرز ایکمینا اپلائینس کمپنی کی ساخت امریکن پیٹنٹ۔ آنکھ۔ کان۔ ناک۔ حلق اور سر کی تمام معلوم امراض کا مکمل بے دوا علاج آنکھ کی سرخی سے لیکر موتیابند تک تمام امراض چشم۔ کانوں کا بہرہ پن۔ ثقل سماعت۔ درد۔ شاں شاں کی آوازیں۔ شور و غل۔ حلق کے ورم۔ بند زکام۔ سردرد۔ کھانسی۔ دمہ انفلوئنزا۔ نزلی بخار وغیرہ وغیرہ تمام ہر قسم تکالیف اس آلہ کے استعمال سے اس طرح کافور ہوتے ہیں جیسے لاحول پڑھنے سے شیطان۔ قیمت فی آلہ صرف مبلغ بیس روپیہ علاوہ محصول ڈاک وغیرہ۔ مفصل شرح کتاب پروفیسر ولسن کا رسالہ امراض ہر درخواست کنندہ کو بجواب لفافہ مفت (۳) مانع احتلام۔ جرمن سائنسدانوں کی تازہ دریافت۔ نامردی کے باپ شیطان احتلام کا شافی علاج روز اول سے ہی اس موذی کے حملوں کو قرار واقعی روکنے والا۔ ادویات سے جو کام برسوں میں ہو وہ ایک ہی دن میں کر دکھانیوالا۔ خاص رئیس۔ پنڈت۔ مولوی۔ بچے۔ جوان۔ بوڑھے۔ شادی شدہ۔ کنوارے۔ رنڈووں کا یکساں دوست۔ خواب میں ناپاک ہونے کا قطعی دفعیہ۔ قیمت صرف پانچ روپیہ علاوہ محصول ڈاک۔

نوٹ: ہر سہ آلات ہمارے سوا ہندوستان [illegible] اور کہیں نہیں مل سکتے۔ جس آلہ کی ضرورت ہو صرف اپنے حالات طلب فرمائیں۔ [illegible] مفت

المعلن: مہر رائے بی۔ ایس۔ بھنڈاری ایم۔ اے مالک ایریکیٹرس ایجنسی ایکمینا ہاؤس بمقام بٹالہ ضلع گورداسپور پنجاب

شیر مادر

سچ ہے ہندوستانیوں کے بچے "بے پروائی ہی کے سایہ میں پلتے ہیں" قدرت کی شان ہے کہ وہ مشرق میں نسل انسانی قائم رکھنا لازمی سمجھتی ہے ورنہ ماں باپ حمل قرار پانے کے وقت سے لیکر دودھ چھڑانے تک بلکہ اسکے بعد تک بچے کی ایذا رسانی میں کوئی کسر نہیں ہو سکتے اہل مغرب کا اس کے بالکل برعکس عمل ہے۔ مغرب کے شعرا تک بچے کو باپ سمجھتے ہیں چنانچہ ورڈسورتھ ملٹن کا قول ہے کہ بچہ آدمی کا باپ ہے" یعنی جسطرح ماں کے پیٹ سے بچہ پیدا ہوتا ہے اسیطرح بچپن سے آدمی بنتا ہے۔ ماں باپ کی بے احتیاطیوں کا بچے پر کیا اثر ہوتا ہے کچھ نہ پوچھئے۔ تفصیل سے دل دکھتا ہے حمل اور دودھ پلانے کے زمانہ میں عورت کو آزادانہ چھوڑنے سے رحم میں فتور اور دودھ میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ ہاضمہ کمزور اور اسکے ساتھ بچہ ناتواں ہو جاتا ہے۔ کھانسی بخار۔ دست و قے شروع ہو جاتے ہیں آنکھوں سے چیپ اور منھ سے رال جاری ہے۔ ماں سمجھتی ہے کہ بچے ایسے ہی ہوتے ہیں اسیطرح رفتہ رفتہ سوکھا لگ جاتا ہے۔ ایک ذرا ہوا زدگی ہوئی اور پسلی کے مرض اُبل آئے۔ سینہ اور پیٹ دکھنے لگا۔ والدین کی بڑی دوڑ یہ کہ سہاگا کچا یا پکا دے دیا اور بس یہ خیال باندھ لیا کہ بچے یوں ہی پلا کرتے ہیں۔ نہیں بچوں کو بڑوں سے بہت زیادہ احتیاط اور خدمت کی ضرورت ہے۔ یہ بارہ برس تک پنپنے چھوا کر پلتے ہیں یا ایک نہایت آسان طریقہ پرورش ہم بتا دیتے ہیں۔

احسان کمپنی کا شیر مادر استعمال کیجئے پھر جو چاہے کیجئے قدرت اور یہ شربت دونوں مل کر بچے کی پرورش آپ کریں گے۔ اثر میں آب حیات ثابت ہوا ہے۔ پسلی کا چلنا۔ سانس کی بیماری۔ سوکھا لگجانا۔ مسان۔ معمولی کھانسی۔ قبض۔ بدہضمی۔ اپھارا۔ پیٹ کا درد۔ ہر قسم کے دستوں کا آنا۔ مروڑ۔ کلیجہ کا نکلنا۔ قے۔ دودھ ڈالنا۔ ہر وقت روتے رہنا۔ آنکھیں دکھنا۔ کان کا درد ہر قسم کا بخار۔ اور بیماری میں بلا خوف استعمال کرا سکتے ہیں

قیمت فی شیشی بارہ آنہ (۱۲/) تین شیشی ایک روپیہ چار آنہ (عہ/)

قوبا

ستایا داد نے ہے شکوۂ بیداد کیا کیجئے — کہیں قوبا نہیں ملتا ہمیں استاد کیا کیجئے

داد بھی چھیپ کی طرح جلدی بیماری ہے اور دیمک کی طرح اندر ہی اندر پھیلتا جاتا ہے اگرچہ یہ کئی قسم کا اور مختلف اسباب سے ہوتا ہے کھجانے سے چھیپ نکلکر پھنسیاں ہو جاتی ہیں (قوبا) اسکے کیڑے اور مواد کو چند بار لگانے سے بھوسی کیطرح اڑا کر جلد کو صاف کرتا اور روح کو آرام دیتا ہے شاید **قوبا** سے زیادہ اس مرض کی اور دوا بیخ کن نہ ہوگی ترکیب استعمال ہر شیشی کے ہمراہ ہوگی۔ خوبی یہ ہے کہ اس میں کوئی ایسی تیز دوا شامل نہیں ہے جو لگاتے ہی سوزش پیدا کرکے نئی تکلیف کا سبب ہو آزمائش شرط ہے۔ قیمت فی شیشی آٹھ آنہ اور تین شیشی ۱۲/ ایک درجن لعہ

محصولڈاک علاوہ

صنم

بیسویں صدی کی ایک نئی ایجاد

مریضوں پر تجربہ کرنے اور اسمیں کامیاب ہونے کے بعد آج ہم نہایت خوشی اور دلیری سے عامۂ خلائق کے سامنے صنم کی ایک شیشی پیش کرتے ہیں بلا شبہ اس کا اثر جادو کا حکم رکھتا ہے ہمارا کارخانہ [illegible] سے قائم ہے اور اسی ادویات کے معتمد ہونے کے لحاظ سے مشہور زمانہ حکیم کارکنان کارخانہ کی سالہا سال کی محنت کا نتیجہ یہ **صنم** ہے جو آج پیش کیا جاتا ہے [illegible] اگر معمولی [illegible] ہے عز و شرف انسان کے کسی عضو مثلاً سر پیشانی۔ ناک۔ دانت۔ کان۔ گردن۔ سینہ۔ پسلیاں۔ پشت۔ بازو۔ کلائی۔ انگلی۔ ران۔ پنڈلی۔ ٹخنہ۔ ایڑی۔ تلوا۔ اور پنجے میں خواہ کسی قسم کا درد کیوں نہ ہو۔ گٹھیا کا درد ہو یا سوجن [illegible] زہریلے جانور نے کاٹا ہو غرض ہر قسم کے درد کو یقیناً اور بلا شبہ یہ صنم اکسیر کا حکم رکھتا ہے اور یہی ہمارا دعویٰ ہے کہ ایکمرتبہ کے امتحان کے بعد آپ بھی ہمارے دعوی کی تائید کریں گے۔ قیمت شیشی کلاں ۱/ خورد شیشی ۸/ علاوہ محصولڈاک

احسان اینڈ کمپنی دوافروشان فتحپوری۔ دہلی

کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر ایس۔ کے برمن کی مجرب آزمودہ دوائیں

چالیس سال سے تمام ہندوستان میں مشہور ہو رہی ہیں

وہ زندگی ہی کیا

جس سے ایک دوسرے کو فائدہ نہ پہونچ سکے اسی خیال کو مدنظر رکھکر دوائیں بنی ہیں اور باوجود انمول فائدے کے سستی بکتی ہیں

ہماری دوائیں ہر جگہ ایجنٹوں اور سوداگروں سے مل سکتی ہیں

نام دوا	نام دوا معہ قیمت	قیمت
اصلی عرق کافور	ہیضہ کے لئے ایک ہی دوا ہے .. قیمت	۶ر
دمہ کی دوا	ایک ہی خوراک میں دمہ کو دبا دیتی ہے ”	عہ
کونین کی گولیاں	چار گرین کی ۵۰ گولیاں ”	عہ
کولا ٹانک	کمزوری کا دشمن ”	عہ
فصلی بخار و طحال کی دوا	چار پانچ ہی خوراک میں بخار کا آنا بند ہو جاتا ہے قیمت فی شیشی کلاں ... عہ خورد	۶ر
مقوی باہ کی گولیاں	جیسا نام ویسا فائدہ ... قیمت	عہ
پین ہیلر	اندرونی و بیرونی درد کی دوا ”	ع
سالسا	خون صاف کرنے کی دوا ”	عہ
سنی لائن	خونی بواسیر و خون بند کرنے کی دوا ”	عہ
پرانے سوزاک کی دوا	پرانے سے پرانا سوزاک ایک شیشی میں آرام ہوتا ہے قیمت	ع
گرمی آتشک کی دوا	گرمی کے زہر کو نکال دیتی ہے ”	ع
دانت کے درد کی دوا	لگاتے ہی درد تھمتا ہے ”	۶ر
درد سر کی دوا	سر کے درد کے لئے نہایت اکسیر ہے ”	۱۲ر
جلاب کی گولیاں	آسانی سے پیٹ صاف کرتی ہے ”	۹ر
داد کا مرہم	ایک ڈبیہ میں کیسا ہی داد ہو آرام ہو جاویگا ”	۶ر
کلوروڈائن	بدہضمی کی حکمی دوا ”	۸ر
کھانسی کی دوا	کف اور کھانسی کے لئے مفید ہے کلاں عہ خورد	۱۰ر
پرانے ملیریا بخار کی گولیاں	ان گولیوں میں کونین نہیں ہے ”	عہ
روغن پیپرمنٹ	بدہضمی اور ریاحی درد کے لئے مفید ہے ”	عہ
کان بہنے کی دوا	کان کا بہنا اس سے بند ہو جاتا ہے ”	۶ر
زخم کا مرہم	ہر قسم کے زخم کے لئے مفید ہے قیمت	عہ
لال شربت	ایک شیشی میں بچے لالوں لال ہو جاتے ہیں	عہ
خارش کھجلی کی دوا	ہر قسم کے جلدی امراض کے لئے مفید ہے	۱۲ر
امراض مستورات کی دوا	حیض کی خرابی کے لئے مفید ہے ”	عہ
عرق پودینہ	یہ پودینہ کی ہری پتیوں سے بنا ہے بدہضمی کے لئے مفید ہے ”	۱۴ر
نمونہ بکس	اس میں ڈاکٹر ایس کے برمن کی چھ مشہور دوائیں ہوتی ہیں ... قیمت	ع
سنہرہ سنٹ	یہ خوشبوؤں کا بادشاہ ہے ”	عہ
کسمراج تیل	یہ تیلوں کا سرتاج ہے دیسی اور ولایتی خوشبوؤں کی آمیزش سے بنایا گیا ہے اور خوشبو کے علاوہ دماغ کے لئے نہایت درجہ مفید ہے ... قیمت	عہ
ہیل یک تھیوریشی	زخم چوٹ ہر ایک کے لئے حکمی دوا ہے ”	۱۰ر
مکر دھوج	یہ سونے کا کشتہ سات ہی خوراک میں آدمی کو اپنے رنگ پر لے آتا ہے ... قیمت ۷ خوراک	عہ
آلتا	یعنی رنگین التا یہ بنگالے کا خاص تحفہ ہے کسی حسین معشوق کے گورے گورے پیروں پر لگائیے اگر جی لوٹ پوٹ نہ ہو جاوے تو ہمارا ذمہ ... قیمت	۸ر
تھرمامیٹر	انگریزی، ہندی اور اردو تھرمامیٹر جو ڈاکٹر ایس کے برمن کی خاص فرمایش سے ولایت کے ایک نامی کارخانہ سے بنکر آیا ہے اور بخار پہچاننے کی لکیر بہت صاف ہے قیمت فی تھرمامیٹر ... قیمت	۱ر

ملنے کا پتہ۔ ڈاکٹر ایس۔ کے برمن نمبرہ ۵ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ پوسٹ بکس نمبر ۵۵۴

تار کا پتہ۔ کمفر

ایجنٹ۔ درگا پرشاد دادو دیال راوت پاڑہ آگرہ

یہ کارخانہ سنہ ۱۸۸۴ء سے جاری ہے

ٹائٹل پیج ابوالعلائی اسٹیم پریس آگرہ میں چھپا گیا